ایک دلچسپ معاشرتی ناول

نقاب

✡

عفّت موہانی

اُن سب کو آنے والی ساعت کا خوب اچھی طرح پتہ تھا۔ ہشامؔ تو سارے کام چھوڑ چھاڑ کر چچا میاں کے ہاں بھاگ آیا اور اپنے چھپنے کے لئے چوہے کا بِل تلاش کر رہا تھا!۔ جو شرارت اس نے کی تھی۔ اور اس شرارت میں اپنے دوستوں کو بھی شامل کر لیا تھا۔ وہ ایسی نہ تھی کہ بزرگوں سے ٹھنڈے پیٹوں برداشت ہوتی!۔ اسے تو پکا یقین تھا۔ جب تک سیر بھر دودھ اور آدھ سیر گھی نہ پی لے گا۔ بیٹھ جونے اور تجپیوں کی خاطر خواہ آؤ بھگت نہ کر سکے گی!۔ مگر دودھ اور دہی کا تذکرہ کیا جبکہ سارا قصہ سُن کر امی نے دوپہر کا کھانا ہی نہ دیا۔ بلکہ چہرہ سرخ کر کے بولیں۔

"دفع ہو جا پاجی سامنے سے۔ ابھی کم بختیوں بھر کا رہ گیا ہے۔ نگوڑا کوڑی کام کا نہیں۔ جانے کیا کر کے جئے گا۔ بس شرارتیں کرنے کو دے دو۔!"

پھر اس سے پہلے کہ وہ بلّی بھگانے کی خاص لکڑی ہاتھ میں لیتیں۔ وہ بھاگ گیا اور چچا میاں کے ہاں آ کے پناہ لی تھی!:

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ڈیوڑھی میں پھوپھا ابا کے زور زور سے کھنگھارنے کی آواز سنائی دی:

"کوئی حد ہے۔ وہ دہاڑ رہے تھے۔ حسب عادت بے جوڑ فقروں میں :۔ ماں باپ نے دُلار کر کر کے لونڈے کو چھت پر چڑھا دیا ہے۔ (بھول گئے کہ "سر" پر کہنا چاہئے تھا۔) میں کہتا ہوں۔ ہشّن میاں کہاں ہیں۔ اب دیکھیں

اپنے لاڈلے بھتیجے کے کرتوت ۔ بزرگوں کی شان میں یہ بے ادبی ۔ ایسی سخت گستاخی کچھ پتہ ہے کہ یہ کمبخت تصویر سارے خاندان میں گھومے گی ۔ ساری خلقت اسے دیکھے گی ۔ اور ہنسے گی ۔ لاحول ولا قوۃ ۔ اچھا ! ہے کہاں وہ بدمعاش :

دالان میں سارا گھر اکٹھا ہو گیا ! :

پھوپھا ابا گرجتے برستے اندر آئے ۔ حسب معمول کھادی کا جھابڑ جھول پاجامہ اور گھٹنوں سے نیچی قمیص پہنے ۔ ! سر پر دو پلی ٹوپی اور ناک پر بیضوی چشمہ ۔ جو " اضافۂ وقار " کے لئے استعمال ہوتا تھا ۔ ویسے وہ عموماً چشمے کے اوپر سے دیکھتے تھے ! :

کیا ہوا : چچی اماں نے پوچھا :

بڑیا پا " (بڑی آپا کا مخفف تھا) " یہ پوچھئے کہ کیا نہیں ہوا ملاحظہ فرمائیے ۔ صاحبزادے صاحب کے کرتوت ۔ واللہ ساری خلقت کے سامنے تماشہ بنا کر رکھ دیا ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا سزا دوں ۔ ناخلف کہیں کا ۔ یہ سب آپ حضرات کے بیجا لاڈ پیار کا نتیجہ ہے ۔ یہ دیکھئے ۔ اس تصویر کو ملاحظہ فرمائیے ! :

انہوں نے ایک سفید لفافہ بڑے طیش میں چچی اماں کے سامنے پھینک دیا اور خود کرسی پر بیٹھ کر مارے طیش کے زور زور سے پاؤں ہلانے لگے ! :

سب کی طرف سے رُخ بھی پھیر لیا :

اللہ ۔ آگئیں بھائی جان کی شادی کی تصویریں : لڑکیاں لفافہ پر جھک پڑیں ۔ چچی اماں نے تصویریں نکالیں ۔ پہلی تصویر پر نظر پڑی تھی کہ انھیں یکبارگی ہنسی کا اچھو لگ گیا ! :

لڑکیاں اور لڑکے بھی ہنسی کے مارے گر گر پڑے :

تصویر میں یوں تو دولھا دلھن اور دوسرے لوگ نمایاں تھے ہی۔ لیکن سب سے نمایاں پھوپھا ابا تھے۔ پہلی صف میں اور بڑی شان سے دولھا دلھن کے بیچ میں متمکن تھے۔ یہاں تک تو ٹھیک تھا۔ مگر اُن کے ہاتھ میں ایک بڑا سا پھٹا پرانا جوتا تھا۔ جیسے وہ اس شان سے لئے بیٹھے تھے کہ کیا کوئی جنرل کرنل بندوق لے کے بیٹھے گا۔ ان کے چہرے پہ فخریہ مسکراہٹ تھی۔ جس نے اور سب کی ایسی تیسی کر کے رکھ دی "

اے بھیا یہ جوتا!" چچی اماں ہنسی کے مارے آگے کچھ نہ بول سکیں "

جی ہاں۔!" پھوپھا ابا نہایت غصّے سے بولے " ہاتھ میں پکڑانے کے بجائے یہ زیادہ اچھا ہوتا کہ میرے سر پہ دے مارا جاتا۔ اب آئیں میرے سامنے بنّن میاں۔ اور تعریف کریں بھتیجے کی!"

مگر یہ آپ نے ہاتھ میں پکڑ ہی کیوں لیا۔؟" پھوپھی اماں نے کہا اور پھر آنچل لبوں پہ رکھ لیا "

" مجھے دیوانے چوہے نے کاٹا تھا کہ پکڑ لیا " وہ بیوی کی بات پہ اور غصّہ ہوئے " ارے مجھے کیا پتہ تھا۔ شادی بیاہ میں کیا کیا رسمیں ہوتی ہیں۔ میں کیا جانوں۔ وہی پاجی ناخلف تصویر کھنچوانے وقت میرے پاس آیا اور پوچھا۔ پھوپھا ابا کیا آپ بھی دولھا دلھن کے ساتھ تصویر کھنچوانے کے لئے بیٹھ رہے ہیں۔ میں نے کہا بیٹا مجبور کر رہے ہیں یہ لوگ۔ کہنے لگا کہ جی ہاں ایک بزرگ ساتھ میں ہو تو دولھا دلھن کے نظر نہیں لگتی۔ اور پھر یہ منحوس جوتا میرے ہاتھوں میں پکڑا کر بولا کہ ہمارے ہاں کی رسم ہے۔ بزرگ ہاتھ میں جوتا لیکر تصویر کھنچوائیں تو دولھا دلھن پہ کبھی آسیب نہیں آتا۔ لاحول ولا قوۃ۔ میں اس نالائق کی باتوں میں آگیا۔ اب یہ تو بھائی چھگن نے

کچھ ضد کرتا تب ماں جھنجھلا کر اسے پھوپھی کے پاس ہنکا دیتی۔ اپنی آمدنی کا زیادہ تر حصّہ پھوپھی اپنے بھائی کے بچوں پر اُٹھا دیتیں۔ سب ایک دل ایک جان تھے۔ محبت ان سب پر سایہ فگن تھی!!

سب سے زیادہ پھوپھی سے ہشام اور سائرہ مانوس تھے۔ بچپن ہی سے ان کے پاس رہتے آئے تھے۔ ہشام منجھلے بھائی کا لڑکا تھا۔ اور سائرہ چچا ابا کی سب سے چھوٹی لڑکی۔! اب وہ اسکول کی تعلیم ختم کر کے کالج کی ابتدائی جماعتوں میں پڑھ رہی تھی۔ مگر پھوپھی اسے سترہ اٹھارہ سال کی نوخیز لڑکی کے بجائے وہی چار پانچ سال کی بچی سمجھتی تھیں۔ جو اپنی پلیٹ میں روٹی اور شکر رکھے پھوپھی کے پیچھے پیچھے پھرا کرتی تھی کہ اپنے ہاتھ سے کھلایئے۔!

اب بھی سائرہ کا یہ حال تھا کہ پھوپھی کا دل رکھنے کے لئے وہ ربر بینڈ انگلی میں پہنے پھوپھی کے پیچھے پھرتی۔ بال بنا دیجئے۔ اسے پتہ تھا۔ پھوپھی کا دل اولاد کے لئے ترستا ہے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی بات ایسی ہو جائے جس سے پھوپھی کا نازک سا حساس دکھیارا دل ٹوٹ جائے کہ یہ ہماری اولاد نہیں۔ اس کی ایک ایک ادا پر پھوپھی وارے صدقے ہوا کرتیں۔ اور سائرہ کی امی نے کبھی بھول کر بھی پھوپھی بھتیجی کے مراسم پر نکتہ چینی یا تنقید نہ کی!!

یہی حال ہشام کا تھا۔ وہ اپنے پھوپھا سے چمٹا رہتا۔ انہیں بناتا بھی تھا۔ ان سے شرارتیں کرتا۔ لیکن کیا مجال کہ ان کی شان میں گستاخی یا بدتمیزی کی ہو۔ پھوپھا ابا اس کی شرارت کا نشانہ بن کر جھینپتے تھے۔ اسے بُرا بھلا کہتے تھے۔ مگر دونوں ایسے پکے دوست تھے جیسے ہم عمر ساتھی ہوں۔! وہ انہیں اول جلول اشعار سناتا۔ وہ جھوم جھوم کر داد دیتے۔ کبھی انہیں فلم کی واہیات سی کہانی سناتا۔ اور وہ اتنی عقیدت اور توجہ سے سنتے جیسے کوئی سعادتمند

شاگرد اپنے قابل احترام استاد کا فرد کی لیکچر سُن رہا ہو۔ جس پر اس کے مستقبل کا انحصار ہو!؎

ان لوگوں کی محبت اور یکجائی کا ایک اثر یہ ہوا کہ نا قابل احساس حد تک ہشام اور سارہ قریب آ گئے۔ ان کی قربت شیر و شکر کی نہیں۔ آگ اور تیل کی تھی۔ ایک کی صورت دیکھی کہ دوسرا بھڑکا۔ ہشام تیز طرار اور بے حد شریر تھا۔ سارہ اتنی ہی غصہ ور اور جلدی سے پھٹ پڑنے والی۔ سارہ کو یہ فخر و غرور تھا کہ وہ انٹرنس کر رہی تھی۔ جبکہ ماں باپ اور چچا پھوپھی کے بے جا دلار نے ہشام کو صرف ایک کوڑی کا کر کے رکھ دیا تھا۔ نہ صرف یہ کہ وہ پڑھنے لکھنے سے بے انتہا جان چُراتا تھا۔ بلکہ وہ سارہ کی نظروں میں قطعی آوارہ بھی تھا۔ دن بھر جو لڑکا گھر سے غائب رہا کرے۔ بڑوں کو جھانسے دے دے کر پیسے وصول کیا کرے۔ جس کے درجنوں غنڈے لڑکے دوست ہوں اور دروازے پر ہر وقت اس کے نام کی پکار پڑی رہے۔ وہ آخر خود بھی غنڈہ جاہل اور آوارہ نہ ہوا تو پھر کیا اسے شریف مہذب اور تعلیم یافتہ کہا جائے گا؟

بڑی حیرت تو سارہ کو یہ تھی کہ آخر چھوٹے چچا اسے مار پیٹ کر پڑھاتے کیوں نہیں؟ ایک تیئس چوبیس برس کا لڑکا تو آسانی سے ایم۔ اے کر چکتا ہے۔ یہاں صاحبزادے نے الف بے بھی نہیں سیکھی۔ وہ اسے بے حد حقیر اور کم رتبہ سمجھتی تھی۔!

دالان میں چائے کا دور چل رہا تھا!؎

بڑی باجی اور نئی نویلی بھابی جو باجی ہی کی گہری دوست تھیں۔ اور انہی نے بیچ میں پڑ کے بھائی جان کی شادی کرا دی تھی۔ بڑے کمرے میں تھیں۔

ہشام الماری کے پیچھے چھپا کھڑا تھا۔ سامرہ بھی اپنی بھابی کے پہلو سے لگی بیٹھی ان کے جسم سے اٹھنے والی حسین خوشبوؤں کو سانس میں بھر رہی تھی۔ اور سوچ رہی تھی کہ لڑکی دلھن بن کر کیوں اتنی مکمل لگتی ہے کہ دل چاہتا ہے بس اسے سینہ چیر کر دل کی دھڑکن بنا لو۔ پلکوں پر بٹھا لو۔ اسی مارے تو نگوڑے لڑکے اپنی نئی نویلی دلھن پر صدقے قربان جاتے ہیں اور ماں باپ کو پیچھے پھینک دیتے ہیں۔"

آج تمہارا قتل عام ضرور ہے" بڑی باجی نے چہرے پر بھونچال پیدا کر کے ہشام سے کہا "یہاں کیوں چھپے ہو۔ ہمت ہو تو ڈیڈی اور چھوٹے چچا کے سامنے جاؤ۔! بڑا برا مذاق کیا تم نے پھوپھا ابا سے"

ڈرتا ڈرتا ہشام الماری کے پٹ کے پیچھے سے نکلا اور بڑی باجی کے پاس آ بیٹھا۔ سامرہ کا منہ بن گیا۔ اسے تو ہشام کی ہر حرکت سے جلن لگتی تھی۔ نری بناوٹی اور فلمی حرکتیں کرتا تھا۔! اگر وہ اس سے بڑی ہوتی تو اس کا خیال تھا کہ اسے چھ سات کرارے طمانچوں میں درست کر دیتی۔ یہ بزرگوں کی ڈھیل کا نتیجہ ہی تو تھا کہ وہ بے نتھا بیل بنا پھرتا تھا۔ مار کے فقرے کس کے سامرہ کو رلا رلا دیتا تھا۔ لیکن کیا مجال کہ کوئی اس کی گوشمالی تو کر دے۔ اب لڑکا سر نہ چڑھے گا تو پھر کیا کرے گا؟"

آپ بھی مجھی پر احمد بڑ بڑیں" ہشام نے خاصی بے تمیزی سے جواب دیا "جناب اس بڑی حرکت پر مجھے آپ کے شوہر نامدار ہی نے ابھارا تھا۔ کہنے لگے تھے کہ میری شادی پر تمہاری بہنوں نے مرچ اور کنکر پڑا پان کھلایا تھا۔ اب میں بھی بدلہ لوں گا۔ ورنہ آپ جانتی ہیں کہ میں کس قدر شریف بچہ ہوں!"

ادھر ہٹو۔ کلیجے میں کہاں گھسے آ رہے ہو۔ چھوٹا کہیں کے" بڑی باجی نے

جھڑکی دی۔ وہ اُدھر سے اٹھا اور بھابی سے چپک کر بیٹھ گیا وہ بھی جز بز ہوئیں۔

"ہائے شامی۔ میں یونہی گرمی کے مارے بوکھلائی جا رہی ہوں۔ تم آخر اُدھر کرسی پر کیوں نہیں بیٹھ جاتے؟"

"اُدھر کچھ مرے چوہوں کی سی بدبو آ رہی ہے بھابی" وہ سامرہ کو کنکھیوں سے دیکھ کر بولا۔ حالانکہ کمرے میں خوشبوؤں کا طوفان سا مچل رہا تھا۔ سامرہ کے حسبِ عادت آگ لگ گئی۔

"آپ خود مرے چوہے"

کمال ہے" وہ ہنسا "کسی کا نام نہ لو تب بھی لوگ گلے پڑنے کو تیار رہتے ہیں۔ ایسی ڈھٹائی کو تو میرا دُور سے سلام۔!"

ہشام" بھابی دبی آواز میں گرجیں"

یس سر؟"

"کچھ تو اپنی عمر کا لحاظ کیا کرو۔ وہ تم سے بہت چھوٹی ہے۔ شرمایا ہی کرو۔ برابر سے جواب سنتے ہو!"

چھوٹی ہے تو جھولے میں لٹا کے منہ میں چسنی دے دیجئے" وہ بُری طرح جھلایا "اٹھارہ سال کی بھینس، پہلے زمانے میں تو اللہ رکھے اٹھارہ سال کی عورت آٹھ بچوں کی ماں ہو جاتی تھی۔ اس گھر میں یہ ابھی چھوٹی ہیں"

سامرہ نے میز پر سے پلاسٹک کا گلدان اٹھایا اور اس پہ کھینچ مارا۔ اس نے بڑے اسٹائل سے گلدان کیچ کیا اور میز پہ واپس رکھ دیا۔ جیسے بالکل بُرا نہ مانا ہو۔"

"یا خدا تم اتنے دقیانوسی کب سے ہو گئے ہو" بڑی باجی نے حیرت سے کہا۔ پرانے زمانے کو تم نے کب دیکھا ہے"

"میں کیا جانوں؟" اسنے برا سا منہ بنایا "یہی محترمہ چھٹولی ایک دن کہہ رہی تھیں کہ مالن کی بیٹی پھندیا اٹھارہ برس کی ہے۔ اس کا ایک بچہ بھی ہے اور یہاں ہمارے بیاہ کا کوئی سامان نہیں!"

"جھوٹے کمینے، اللہ کرے غارت ہو جاؤ تم" ساحرہ کو رونا آگیا "کب کہا تھا میں نے؟"

"اچھا بے شرم بھائی اب تم یہاں سے منہ کالا کرو!" بھابی بولیں۔ "یہ باتیں کوئی بڑا بزرگ سُن لے تو یہی کہے کہ اچھا ہم نے تم کو شتر بے مہار بنایا ہے۔ چھُپ سے ساری بکواس سُن لیتے ہیں۔ باہر جاؤ تا کہ ڈیڈی کھال اُدھیڑیں!"

"آپ اپنے خسر محترم کی شان میں گستاخی فرما رہی ہیں" ہشام نے انھیں نصیحت کی "کھال ادھیڑنا ان کا کام نہیں۔ کیا وہ قصائی۔!"

"اور تمہارے ساتھی شیطان کہاں فنا ہو گئے" بھابی نے اس کے گال پر طمانچہ کھینچ کر دانت پیسے "معاف تو ہرگز نہ کیے جاؤ گے۔ ہنھ! بیچارے بھولے بھالے پھوپھا ابا کو جوتا پکڑا دیا۔ بدتمیز کہیں کے۔ اور وہ سب کہاں گئے جو اس شرارت میں تمہارے شریک تھے؟"

"ارے بھابی" وہ ہنسنے لگا "پھوپھا ابا کی آواز کا صور سنتے ہی سب کا یہ حال ہوا کہ کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا۔ اب آپ ان کی گرد بھی نہیں پا سکتیں۔ یہ تو میں ہی بے چارہ۔ بقول اقبال صاحب ؎

اسد بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
تو مشاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

بڑی باجی اور بھابی نے سخت مکدر ہو کر منہ بنائے۔ ساحرہ تو آگ بگولہ ہی ہو گئی"

یہی نتیجہ ہوتا ہے جہالت کا" وہ جل کر بولی "الف کا نام گدھا بھی نہیں جانتے۔ پھر اقبال اور غالب کے نام کیوں لیتے ہیں۔ جیسے کہ بے چارے بڑے علامہ ہی تو ہیں"

ہشام۔ خدا کے لئے اب باہر جاؤ۔ ہمارے پاس گھس کر بیٹھتے تم کو ذرا سی شرم بھی نہیں آتی !" بڑی باجی بولیں"

بہت سی شرم آتی ہے !" وہ بولا" مگر جائیں تو جائیں کہاں۔ باہر خواجہ خضر اور حضرت عزرائیل میرا خون پینے کے لئے جو موجود ہیں"

بڑی باجی نے اس کا کالر پکڑ کر اسے اٹھایا اور کمرے سے باہر ڈھکیل کر دروازہ بند کر دیا"

جتنے حضرات دالان میں موجود تھے۔ ان سب کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں اب وہاں نئے نویلے دولھا میاں یعنی کہ بھائی جان بھی براجمان تھے۔ اسے دیکھ کر ان کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی"

بدمعاش اِدھر آؤ !" چچا میاں نے گھونسہ دکھا کر کہا۔ اس نے تیزی سے قدم بڑھائے۔ اور بھائی جان کے پاس جا کھڑا ہوا"

"یہ کیا حرکت ؟" اس کے والد یعنی چھوٹے چچا نے کہا۔ حالانکہ وہ گرجے تھے مگر گرج کا کھوکھلا پن ہشام نے صاف پہچان لیا۔ وہ مسکراہٹ بھی دیکھ لی جو اُن کے لبوں پر دفعتہً آ گئی تھی"

کیوں بے غنڈے۔ یہ تو نے بڑوں سے مذاق کرنا کب سیکھ لیا ہے" چچا میاں بھی دہاڑے "یاد رکھو۔ ایسی مرمت کر دوں گا کہ بھول جائے گا اپنی چوکڑی۔ معافی مانگ ہاتھ جوڑ کے۔ پھوپھا ابا سے۔ چل۔ میں کہہ رہا ہوں لیہ

"کک۔ کیوں۔ بھائی" بیچ میں پھوپھا ابا ہکلا کر بولے" مجھ سے کیوں

معافی مانگے بے چارہ۔ کیا کیا ہے اس نے ؟" ظاہر تھا کہ کھانے پینے اور اِدھر اُدھر کی باتوں کے درمیان وہ سب کچھ بھول چکے تھے۔"

تمھاری بھول پر پتھر پڑیں" چچی اماں نے کہا "ابھی تو وہ نگوڑی تصویر دیکھ کر ہاتھ ہاتھ بھر اچھل رہے تھے۔ اب دیکھو تو جیسے کچھ یاد نہیں۔ کھڑا ہے یہ پاجی۔ لگاؤ ایک ہاتھ کہ ارے دار !"

ارے واہ۔ بٹریا یا" وہ گھنی مونچھوں میں ہنسنے لگے "کیوں لگاؤں غریب کے ہاتھ۔ ایسا معصوم بچہ ہے۔ واللہ کہ ایسا محبت والا، شریف اور نیک بچہ میں نے اس کے سوا اور کہیں نہیں دیکھا۔ اور۔ ہاں۔ وہ آپ کیا کہہ رہی تھیں۔ تصویر کیسی۔ کس کی تصویر۔؟ کیا قصہ ہے؟"

ارے دفن کرو اس تصویر کے جھگڑے کو" چھوٹی چچی یعنی کہ ہشام کی ممی سخت ہو کر بولیں "میرے تو کان پک گئے ہیں۔ وہ کچھ یاد ہی نہیں رکھتے۔ لو۔ الٹے بچوکرے کے دُلار شروع ہو گئے۔ انہی حرکتوں نے تو اس کا اور ناس مار رکھا ہے۔ نکما۔ نکھٹو کہیں کا۔ بس یونہی ڈنڈے بجاتے۔ بدمعاشیاں کرتے اور بیل کی طرح جگالی کرتے زندگی گزار دے گا۔ نہ پڑھے گا نہ لکھے گا۔ اُئے میں کہتی ہوں۔ بٹریا یا۔ آخر اس موے کا کھل بیڑہ کہاں لگے گا۔ کیا کر کے جئے گا۔ کل کلاں کو اسے بیٹی کون دیگا؟"

بیٹی لے کر مجھے کیا کرنا ہے۔ میرے پاس تو کپڑے رکھنے کے لئے اتنی بڑی اسٹیل کی الماری ہے" ہشام نے بسکٹ چباتے ہوئے بڑے بھول پن سے کہا۔"

میاں سنجیدگی سے سوچنا ہے تمھیں" بھائی جان نے کہا "اتنے بڑے ہو گئے ہو۔ مگر کچھ پڑھا لکھا نہیں۔ اپنے ہمسائے انسپکٹر صاحب کے

لڑکے کی مثال لو۔ تمہارے ہی برابر ہے۔ مگر بی۔ کام کر کے اب ایل۔ ایل۔ بی کا تیسرا سال کر رہا ہے۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ تم دل پر رکھ لو تو میں ٹیوٹر کا انتظام کر دوں۔ پرائیویٹ طور پر ہی سہی۔ میٹرک پاس کر لو تو پھر جلدی سے کالج کی تعلیم مکمل کرو۔ کیوں؟"

بڈھا طوطا" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ پھر بولا " جی بہت اچھا۔ آپ انتظام کر دیجئے ٹونٹی کا۔ کوشش کروں گا کہ"

"ٹونٹی؟" تین چار زبانوں سے اچانک نکلا۔ ابھی آپ ہی تو کہہ رہے تھے" اس نے بُرا مانا۔

"میں نے ٹیوٹر کہا تھا" بھائی جان نے جھلّا کر کہا" جو ٹیوشن پڑھاتا ہے۔ اسے ٹیوٹر کہتے ہیں۔ سمجھے؟"

"میں نے یہ لفظ پہلے کبھی نہیں سُنا" اس نے حیرت سے کہا۔ "اب سُن لو" بھائی جان کو اس کی جہالت پر ایک ساتھ غصّہ اور ترس آیا۔ یہی حال ہوتا ہے اکلوتے لڑکے کا۔ اگر حد سے بڑھ کر لاڈ پیار کیا جائے۔ غضب ہے خدا کا۔ چوبیس برس کے ہاتھی جیسے موٹے تازے لڑکے کو معمولی لفظ بھی نہیں معلوم۔ پتہ نہیں کیوں چھوٹے چچا نے شروع ہی سے اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ ورنہ آج وہ کہاں سے کہاں ہوتا!"

"تمہارے فیوچر کا اللہ ہی مالک ہے" انہوں نے ایک لمبی سی افسوس زدہ سانس لی۔ اور مارے دکھ کے ایک تلا ہوا کاجو چپکے چپکے چبانے لگے!"

ان کے برخلاف ہشام نے مٹھی بھر کاجوؤں کا پھنکا مار کے گنواروں کی طرح منھ چلاتے ہوئے پوچھا"

" فرنیچر۔ آپ نے نیا خرید ا ہے کیا؟ "

اور بھائی جان جو عرصے سے ضبط کئے بیٹھے تھے۔ دفعتہً بے قابو ہو گئے۔ اپنے چھوٹے چچا کی طرف مڑ کر بولے: "چھوٹے چچا۔ آج مجھے بتائیے کہ آپ نے آخر اسے پڑھایا لکھایا کیوں نہیں؟ اس کی چھوٹی دو بہنیں اچھی خاصی تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ ماشاءاللہ اچھے اچھے ڈویژن لاتی ہیں۔ آپ نے لڑکیوں پر توجہ دی۔ اور لڑکے کو یونہی چھوڑ دیا۔ آخر آگے چل کر اسے زندگی گزارنے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ بتائیے مجھے۔ یہ کیا کرے گا۔ کیا اسے یونہی پھرنے کے لئے آپ نے آزاد چھوڑ رکھا ہے؟"

" میاں۔ میں کیا کروں" چھوٹے چچا نے ہشام کو غیظ و غضب سے گھورتے ہوئے کہا: "اس کے پیچھے سر پھوڑ پھوڑ کر عاجز آگیا ہوں۔ دماغ اس کم بخت کا لوہے کا ہے۔ کوئی بات بھیجے میں نہیں سماتی۔ تم کہو گے آم دو پہے گا املی تین چار استاد زچ ہو کر بھاگ گئے کہ اس غبی سے ہم سر نہیں مار سکتے۔ بتاؤ۔ میں کیا کرتا۔ آخر چھوڑ دیا بدبخت کو اس کے حال پر۔ جب ہماری نہیں مانتا تو آپ بھگتے گا۔ ٹھیلا ڈھکیلے گا۔ رکشا چلائے گا۔ سر پہ ہاتھ رکھ کر روئے گا۔ لطف تو یہ ہے منصور میاں کہ اماں جان صاحبزادے کو انگلی تک لگانے نہیں دیتیں۔ ادھر میں کچھ بولا کہ ادھر محترمہ غرا کر مجھ پر چڑھ دوڑیں۔ میں تو تھک گیا۔ ہار گیا۔ اب کوئی علاج تم ہی کرو۔"

" میرا نام بیکار لیتے ہیں آپ" چھوٹی چچی کو طیش آگیا: "جب بھی میں نے ہشام کے مستقبل کا تذکرہ کیا۔ آپ نے الٹا مجھے خاموش کر دیا کہ نہ سہی۔ اس کا دماغ پڑھنے میں نہیں جمتا۔ نہ پڑھے۔ بہت سے بہت ہزار بارہ سو سرکاری ملازمت ہی ملیں گے۔ نہ ملیں۔ اللہ نے تھوڑی بہت جائداد

دی ہے۔ لڑکیوں کو بیاہنے کے بعد بھی اگر ڈھنگ سے خرچ کرے گا تو ہمیشہ ساتھ دے گی۔ ! مگر مت بتائیے۔ بتائیے آپ نے کہا تھا کہ نہیں؟"

کہا تھا اب بھی کہتا ہوں" چھوٹے چچا برافروختہ ہو کر بولے " جب یہ بالکل جاہل مطلق گدھا ہے تو بہر حال اس کی گزر بسر باپ دادا کی زمین ہی کے ذریعہ ہو گی"

اچھا برخوردار! " چچا میاں نے اپنے چھوٹے بھائی بھاوج کو جھگڑا کرنے سے روک کر کہا " کان دے کر سنو کہ۔ خبردار اب تم رات کے دس دس بجے تک باہر سیر سپاٹے نہیں کر سکتے۔ سنا۔ اگر میں نے دیکھا کہ تم پھر دس بجے رات کو گھر آئے ہو تو گئے" اتار کے گھر میں بٹھال دوں گا!"

وہ منھ چلاتا رہا۔ خاصہ غصہ دلانے والا اسٹائل تھا۔ چنانچہ چھوٹی چچی کو غصہ آگیا۔ بولیں "

" رات ہی پر کیا موقوف ہے۔ آپ یہ نہیں دیکھتے کہ یہ صبح بستر سے اٹھکر یوں باہر بھاگتا ہے جیسے موئے نگوڑے دوستوں کو بھی موت آتی ہے۔ پھر باہر سے آیا۔ حلق تک کھانا دھانسا اور لیجئے پھر باہر۔ میں جانوں شائد ہی کوئی سینما اس جنم جلے سے بچ رہتا ہو!"

" کیوں؟ " چچا میاں نے آنکھیں نکالیں "

" میں خود سے نہیں جاتا۔ چچا میاں۔ ! ہشام نے سخت مسمسی صورت بنا کر کہا " مجھ سے آپ قسم لے لیجئے۔ اب دوست احباب اتنا مجبور کرتے ہیں۔ ٹکٹ تک لے آتے ہیں تو ان کا دل رکھنے کے لئے مجھے جانا ہی پڑتا ہے "

" سچ کہتا ہوں۔ جی چاہتا ہے۔ مارے ہنٹروں کے کھال ادھیڑ ڈالوں " ڈھٹائی دیکھ رہے ہیں آپ بھائی صاحب!" چھوٹے چچا کا چہرہ لال ہو گیا "

آج ہشام کے ستارے گردش میں تھے۔ اس کی چھوٹی بہن شینا بولی "میں بھی ایک بات بولوں ڈیڈی۔ ابھی پرسوں پہلی تاریخ کو شامی بھیا ممی کی الماری سے دو سو روپے چرا کر بھاگ گئے تھے۔ پھر ممی نے ڈانٹ ڈانٹ کر پوچھا تو ممی کو بہت بُرے بُرے جواب دئے!"

ہائیں!" چھوٹے چچا کا منھ کھل گیا۔ بیوی سے بولے "اور تم نے مجھ سے تذکرہ نہیں کیا!"

وہ چپ رہیں"

"کیا کئے وہ روپے!" چچا میاں چلائے۔ ہشام اچھل پڑا۔ ڈرتا ڈرتا بولا" وہ۔ وہ تو۔ ممی کو ستانے کے لئے نکالے تھے۔ پھر واپس رکھ دئے!"

اور یہ کہہ کر قہر آلود نظروں سے اپنی چھوٹی بہن کو گھورتا ہوا بولا" اچھا اچھا یاد رکھنا۔ چغل خور کہیں کی۔ اُس دن فرج سے نکال کر چوری چوری کھوئے کی لوزیں کھا رہی تھی۔ میں نے تو کسی سے شکایت نہیں کی!" اچھا دیکھو گا تجھے

تجھے تجھے کر کے بولتے ہیں چچا میاں!" شینا نے ہونٹ بسورے۔

رہ جا" ہشام دانت پیس کر اٹھا۔ شینا بھاگی۔ وہ مٹھیاں باندھ کر اس کے پیچھے بھاگا۔ شینا تو چوکڑی بھرتی راہداری میں گم ہو گئی۔ وہ وہیں رک گیا۔ اور پھر چپکے چپکے وہ ہنسنے لگا!"

سب نے نہایت مایوس انداز سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ بالکل وہی انداز تھا جیسے کہتے ہوں کہ اب بیمار کا علاج ممکن نہیں۔ اسے خدا پہ چھوڑ دینا چاہئے!"

سب سے پہلے پھوپھا ابا اٹھے" اب ہم چلتے ہیں۔ ذرا۔ وہ۔ کچھ کام تھا"

انہوں نے سر کھجایا۔ بیوی کی طرف دیکھا۔ جیسے کہہ رہے ہوں یہ ان سے پوچھنا چاہتے ہوں انہیں کیا کام تھا؟۔ چنانچہ وہ بولیں: "کمر میں درد تھا۔ حکیم صاحب کے پاس جا رہے تھے!"

"ارے ہاں۔ ٹھیک ہے۔ کمر کا درد یاد ہی نہ رہا تھا!" وہ تیز تیز چل دئے!" پھر سب ہی اٹھ گئے!"

منصور میاں کی سیدھی سادی شادی کی پُر مسرت چہل پہل کچھ سرد ہوئی تو ہر شام کی شرارتیں پھر سے نمایاں ہو گئیں۔ دن بھر مرد گھر سے باہر رہتے تھے۔ اور وہ تین چار گھنٹوں کی باہری سیر و تفریح کے بعد گھر ہی میں گھسا رہتا تھا۔ اُن دنوں بڑی باجی خاصے طویل وقفے کے لئے میکے آئی تھیں۔ جب بھی اُن کے میاں باہر دورے پر چلے جاتے وہ اپنی ساس سے اجازت لے کر میکے آ براجتیں۔ چونکہ ان کی سسرال میں ان کی جٹھانی اور دیورانیاں خاصی معقول تعداد میں تھیں اور دو بن بیاہی نندیں بھی تھیں۔ لہٰذا ان کا بار بار میکے بھاگنا کسی کو گراں بھی نہیں گزرتا تھا۔ ان کی ساس بہت اچھی تھیں۔ اپنی بہوؤں کو بیٹی سے کم نہیں سمجھتی تھیں۔ بہوؤں کا بھی یہ حال تھا کہ کیا مجال جو بڑی بی کو ساس سمجھ کر کچھ نامناسب سلوک کریں۔ نندیں بھی بے چاریاں بے زبان۔ خاموش اور بہت شریف بچیاں تھیں۔ ویسے ان کا پورا خاندان ہی بہت مہذب تعلیم یافتہ اور اونچا تھا۔ بڑی باجی کے شوہر بھی بہت شریف، خوش مزاج اور زندہ دل آدمی تھے۔ انہوں نے بیوی کو میکے آنے جانے کی پوری آزادی دے رکھی تھی۔ اس کے علاوہ بڑی باجی کے ہاں اب دوسرے بچے کی آمد آمد تھی "

ان کا ارادہ میکے ہی میں رہنے کا تھا۔ پہلا بچہ دو سال کا خوب پیارا ابوا سا تھا۔ گھر بھر کا کھلونا۔ وہ اس شونے گھر میں آتا اور سارا گھر جیسے انگڑائی لے کر جاگ اٹھتا تھا۔ سامرہ، شینا، کمال، ہشام اور دوسرے بچوں کی دلبستگی کا سامان۔ اپنی ماں کے پاس تو جاتا ہی نہ تھا۔ یا تو دونوں نانیوں کے پاس رہتا۔ یا پھر بچوں میں کھیلا کرتا۔ مگر ہشام اور سامرہ کے لئے اس کی ننھی سی ذات بہت بڑے جھگڑے کا باعث تھی۔ سامرہ کا دعویٰ تھا کہ وہ اس کی باجی کا بچہ ہے۔ لہٰذا اس پر صرف سامرہ ہی کا حق ہے۔ ہشام کو میرے تیرے کا کوئی خیال ہی نہ تھا۔ بلکہ وہ تو بے حد برا مان جاتا۔ باجی تو اس کی بھی تھیں۔ چچازاد بہن اور سگی بہن میں فرق ہی کیا؟ مگر سامرہ اپنے بے پناہ تخصّے میں باپ دادا تک پہونچ جاتی تھی۔ بڑی باجی تو بس یہی چاہتی تھیں کہ وہ بچے کی جھنجھٹ سے دور رہیں۔ ننھے کو دالان میں ہنکا کے وہ اور نئی بھابی بڑے کمرے میں چلی جاتیں۔ پھر دونوں جہان کی بکواس ان کی زبانوں پر آجاتی۔"

بے حد دلچسپ دن تھے۔ اس زمانے میں کالجوں میں میقاتی چھٹیاں ہو گئی تھیں لہٰذا سامرہ دن بھر گھر ہی پر رہتی! ہشام کے لئے تو ہر دن تعطیل کا دن تھا۔ صبح سے شام تک ایک ناسمجھ بچے کی طرح ہڑ دنگا مچایا جاتا۔ یا پھر پھوپھا ابا سے سرگوشیاں ہوتیں "

"آپ نے آج کا اخبار دیکھا؟"

وہ ناک کی پھننگ پر چشمہ اڑکائے بڑی تشویش سے اسے دیکھنے لگے "

ہاں کچھ دیکھا تو تھا۔ کیوں۔ کوئی خاص خبر ہے کیا؟"

اجی آپ بھی بڑے بھولے بھالے ہیں پھوپھا ابا" اس نے ان پر ترس کھایا جیسے وہ اس سے عمر میں کہیں چھوٹے ہوں "

میں نے کیا کیا۔؟" وہ بے حد بھولپن سے بولے۔ ہشام آگے کھسکا۔"آپ نے فلموں کے اشتہار بھی دیکھے؟"

آہستہ بولو۔" پھوپھا ابّا نے شرارت آمیز سرگوشی کی۔" اور اس بچّے کی طرح اِدھر اُدھر دیکھنے لگے جو کسی نئی شرارت کا پلان بنا رہا ہو پھر آگے جھک کر پھُسر پھُسر کی۔"

"فلم؟" کوئی نیا آیا ہے؟" میں نے وہ صفحہ نہیں دیکھا۔ ارے میاں۔ اُن ننگی چڑیلوں کی تصویریں دیکھتے تمہاری پھوپھی دیکھ لیں تو مار کے حشرات مچا دیں۔ کہیں گی۔ بڈھے ہو گئے ہو مگر۔"

"آپ کی بھی باتیں۔ میں تو سب سے پہلے اخبار کا وہی صفحہ دیکھتا ہوں۔ مجھے کوئی اس طرح نہیں کہتا!"

"واقعی"

"جی ہاں"

کمال ہے۔! مگر۔ تم پڑھ تو سکتے نہیں۔ کیا سمجھ میں آتا ہے؟" یہ لیجئے" ہشام ہنسا" ارے۔ کیا میں نے تیسری جماعت تک نہیں پڑھا۔ اتنی اُردو تو آتی ہی ہے۔ اس کے علاوہ میں ساری ایکٹریسوں کے چہرے اس قدر شدت سے پہچان گیا ہوں کہ جب بھی کسی کی صورت پہ نظر پڑتی ہے۔ فوراً جان جاتا ہوں کہ یہ کاہے میں کام کر رہی ہے۔ ارے آپ مجھ سے ہر ہیرو اور ہیروئن کی پوری پوری سوانح عمری منھ زبانی فرفر سُن لیجئے پھوپھا ابّا!"

ماشاءاللہ۔ ماشاءاللہ۔!" انھوں نے بڑی عقیدت سے کہا۔ ہشام نے ہونٹ بھینچ کر ہنسی روکی اور کھنکھار کر بولا" تو پھر آج شام کو کپڑے وپڑے پہن کے تیار بیٹھے گا۔ ہم چلیں گے ٹارزن کی بھتیجی دیکھنے!"

"م۔ مگر۔ میاں۔ پیسے۔
مفت تو کوئی دکھائے گا نہیں!"

"پھوپھی اماں کی صندوقچی!" اسنے ایک آنکھ دبا کر ترکیب بتائی "پتہ ہی نہیں چلتا۔ دکھی کہاں ہے؟" پھوپھا ابا بے بسی سے بولے "آپ اس قسم کی شدید ضرورتوں کے لئے کچھ پیسے اپنے پاس نہیں۔ رکھتے یہ بڑی بُری بات ہے" ہشام نے انہیں ہشکار دیا "لاحول ولا قوۃ۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے پھوپھی اماں کے سامنے ہاتھ پھیلائیے۔ توبہ!" "تم ہی کوئی بندوبست کر دو!" انہوں نے بڑے دکھ سے کہا "آپ دکھیئے مت۔ میں آپ کی خاطر ضرور کوئی انتظام کر دوں گا"

"اچھا تو میں وہ شیروانی پہن کے تیار ہو جاؤں جو منصور میاں کی شادی کے موقعہ پر سلوائی ہے" پھوپھا ابا کا چہرہ سورج مکھی کے پھول کی طرح کھِل گیا"

"ہ۔ بس" اور استری کیا ہوا کھڑ کھڑ دار پاجامہ۔ سلیم شاہی جوتہ۔ عطر لگا رومال" ہشام نے برابر کے دوستوں کی طرح قہقہہ لگا کر ان کے ہاتھ پہ ہاتھ مارا۔ چنانچہ پھوپھا ابا نے بھی ایک توپ نما قہقہہ لڑھکا دیا اور بڑی ممنونیت سے بولے"

"میاں میں تمہارا بیحد شکر گزار ہوں۔ تم اگر اس طرح قدم قدم پر میرا خیال نہ کیا کرو تو میں سچ کہتا ہوں کہ میں تو بالکل یتیم ہو کر رہ جاؤں" ان کی آواز بھرا گئی"

ہشام نے پدرانہ شفقت سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بزرگانہ لہجے میں کہا "ارے۔ اتنی اتنی سی باتوں پہ یوں خون نہ جلایا کیجئے۔ جب تک میں

زندہ ہوں ۔ آپ کو بے سہارا محسوس نہ ہونے دوں گا ۔ دل چھوٹا مت کیجئے پھوپھا ابا "

"اچھا میاں " وہ ایک سسکی لے کر چپ ہو گئے "

"لیجئے ۔ یہ کھائیے !" ہشام نے اپنا چھوٹا سا ہینڈ بیگ کھولا اور تلے ہوئے کاجوؤں کا پیکٹ نکال کر انہیں دیا "

" آپ نے قلاقند کب سے نہیں چکھی ؟ "

"قلاقند !" ایک بڑا سا گھونٹ نگل کے پھوپھا ابا نے کہا " میں تو اس کا مزہ بھی بھول گیا ہوں "

" چچ چچ ۔ یہ پھوپھی اماں آپ پہ بہت ظلم کرتی ہیں ۔ کل میں آپ کو ضرور کھلاؤں گا ! "

کاجو چباتے ہوئے انہوں نے پر مسرت انداز میں سر ہلایا ۔ پھر بولے " یہ کیا ۔ اتنی جلدی چلے ؟ "

" باہر ایک دوست کھڑا ہے جناب ۔ اب تک تو وہ دھوپ میں سوکھ کر چھوہارہ بن چکا ہو گا ۔ اسے ساتھ لے کر میں ذرا ٹکٹوں کا بندوبست کر آؤں "

" پیسے کہاں ہیں ؟ "

"وہی اُدھار دے گا ۔ بعد کو آپ اور ہم اپنے اپنے ٹکٹوں کے پیسے اسے چکا دیں گے ! "

" ارے ہاں ۔ میں بھی جا کے تمہاری پھوپھی کی خبر لیتا ہوں ۔ یعنی کہ کیا بات ہے یہ بھی ۔ مجھے ماہانہ خرچ کے لئے بھی دس پانچ نہیں دیتیں ! "

" اررر ۔ یہ پیکٹ تو چھپا دیجئے ۔ پھوپھی دیکھیں گی تو جھپٹ کر سارے

کھائیں گی ! "

ہاں ہاں " انہوں نے کہا اور تیل اور مرچ میں لتھڑا ہوا پیکٹ انہوں نے بڑی مہارت سے بڑے نفیس تکئے کے نیچے چھپا دیا اور پھوپھی سے لڑائی کرنے کے لئے دیوان خانے سے اندر جانے لگے ! "

ہشام نے مشورہ دیا " پھوپھا حضور، بس دس پندرہ کی حد تک جھگڑا کیجئے گا زیادہ کے لئے نہیں۔ جلدی جا کے آیئے۔ میں باہر ٹھہرتا ہوں ! "

انہوں نے اپنے لدھوڑے پاجامے کے پائینچے اوپر سرکائے اور کرتے کی جھولتی ہوئی آستینیں چڑھا کے محاذ پر چلے گئے ! "

پھوپھی سامنے ہی صاف ستھرے چھوٹے دالان میں ہوا کے رخ پر بیٹھی ساگ صاف کر رہی تھیں۔ قدموں کی دھمک پر سر اٹھا کر دیکھا۔ پھوپھا نے بھی دیکھا۔ پھر پھوپھی تو برا سا منہ بنا کر اپنے کام میں لگ گئیں۔ مگر پھوپھا چند لمحے پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں گھورا کئے۔ اس کے بعد ٹوپی سے اپنا چہرہ چھپایا اور جھپاک سے باہر بھاگے ! " دروازے پر ہشام کھڑا اپنے دوست سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے جلدی سے مڑ کر دیکھا اور بوکھلاہٹ کی وجہ پوچھی۔ ہانپتے ہوئے بولے۔ میاں۔ وہاں کوئی خاتون بیٹھی ہیں زنان خانے میں۔ شائد تمہاری پھوپھی سے ملنے آئی ہیں۔ میں آواز دئے بغیر اندر گھس گیا تھا۔ بڑا غضب ہوا۔ ان کا میرا سامنا ہو گیا۔ اب وہ دل میں کیا سوچیں گی کہ جناب سید صاحب اس قدر لفنگے آدمی ہیں۔ غیر عورتوں کو گھورتے پھرتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ "

مارے پچھتاوے اور شرمندگی کے ان کا برا حال تھا "

آپ گھبرایئے نہیں۔ میں ابھی دیکھ آتا ہوں " ہشام اندر گیا۔ اسے صرف پھوپھی ملیں جو اب ننھی سی خوشنما ٹوکری اٹھائے کچن میں جا رہی تھیں۔ اسے

دیکھ کر ٹھہر گئیں اور مسکرا کر بولیں "

"پھر کوئی شیطانی سوجھی ہے رے باجی۔ پہلے وہ اندر آ کے جاسوسی کر گئے۔ اب تو آیا ہے چوہے کی طرح۔ سچ بتا۔ بات کیا ہے۔ ورنہ کان کھینچ کر ہاتھ میں دے دوں گی !"

"آپ کے پاس ابھی کون تھا؟" ہشام نے پوچھا "

"کوئی نہیں۔ اکیلی بیٹھی خرقہ بنا رہی تھی "

"ارے پھوپھی۔ آج آپ نے ہمارے پھوپھا ابا کو خوب ڈرایا۔ وہ باہر بیٹھے رو رہے ہیں !"

"کیا؟"

"جی ہاں۔ آپ کو بھول گئے۔ کہہ رہے ہیں کہ ایک غیر خاتون سے سامنا ہو گیا "

"چل دُور خبیث۔ جیسا تو ویسے وہ !" پھوپھی اچانک غرائیں اور ٹوکری سنبھال کر آگے بڑھ گئیں "

وہ باہر آیا مارے ہنسی کے گرا گرا جا رہا تھا۔ پھوپھا کا ہولتی چہرہ دیکھا تو سچ مچ چبوترے پر آ رہا !"

"پھوپھا ابا۔ وہ۔ وہ تو۔ پھوپھی اماں ہی تھیں۔ کوئی نئی خاتون نہیں ہیں"

"چلو ہٹو !" پھوپھا ابا نے اپنا دل سنبھال کر مشکوک انداز میں خالص نسائیت سے کہا "

"سچ مچ۔ آج آپ نے غضب کیا !"

وہ ہنسے۔ کھسیانی سی ہنسی تھی۔ بولے " اماں۔ وہ بھی عجیب عورت ہیں۔ کچھ اس طرح روز روز نیا سنگار کرتی ہیں کہ آدمی دیکھے تو پہچان ہی نہ سکے !"

اور اس چپقلش میں پھوپھا لڑائی جھگڑا بھول گئے۔ نہ یہ یاد رہا کہ شام کو حسب قرار داد فلم دیکھنا اور پیسے وصول کرنا ہیں۔ ہشام کے جانے کے بعد وہ اپنی پسندیدہ آرام کرسی پر آلیٹے اور "مسجد سے میخانے تک" پڑھ کر قہقہے لگانے لگے!!

پھوپھی تک ان جاندار قہقہوں کی گونج بخوبی جا رہی تھی۔ مگر وہ خود بھی مسکراتی رہیں اور بی رحیمن کے ساتھ مل کر کھانا پکاتی رہیں۔ وہ ان کی عادتوں سے واقف تھیں۔ انھیں اپنے بھولے بھالے شوہر پر بے پناہ ترس آتا۔ ان سے محبت بھی بے پناہ تھی۔ ایک ناسمجھ بچے کی طرح وہ ان کی رتی رتی ضرورتوں کا خیال رکھتی تھیں۔ ایسا پیارا اتنا عمدہ اس قدر پُر محبت شوہر دنیا کی کسی عورت کو نصیب نہ ہوا تھا۔ جو ایک پناہ گاہ تھا۔ محافظ تھا۔ سر پر ایستادہ سائبان تھا۔ اور نہ حاکم تھا نہ اپنی نام نہاد برتری جتاتا تھا۔ جو بالکلیہ بیوی کے رحم وکرم پر تھا۔ معصوم، مظلوم، جو ہمدردی کے قابل تھا۔ پھوپھی ان پر جان چھڑکتیں۔ اور پھوپھا انہی سے دلار کیا کرتے۔ اتنا احساس انہیں تھا کہ اگر بیوی ذرا بھی بے رخ ہو جائیں تو پھر وہ قطعی لاوارث اور بے دست وپا ہو کر رہ جائیں۔

قہقہے اب بند ہو چکے تھے۔ دوپہر کے کھانے کے لئے پھوپھی انہیں بلانے آئیں۔ وہ بڑے مزے سے بے خبر سو رہے تھے۔ آرام کرسی کی پٹی پر سر رکھا تھا۔ پھوپھی نے سوچا کہ اچھا ہے کچھ دیر اور آرام سے سولیں۔ چپکے سے تکیہ اٹھایا کہ سر کے نیچے رکھ دیں۔ پٹی گڑتی ہوگی! یہ تکیہ اٹھایا تو انہیں بڑا غصہ آیا۔ سارا نفیس غلاف مرچ اور تیل سے ستیاناس ہو کر رہ گیا تھا۔ اب انہوں نے پیار محبت طاق پر رکھ کر غصے سے ان کا گھٹنا ہلایا۔ وہ بیجد

کاہلی سے جاگے۔ اور پھر لمبی لمبی جمائیاں لینے لگے ؛

"یہ کیا ہے ؟" پھوپھی نے ایک ہاتھ میں پکڑا تکیہ دوسرے ہاتھ میں لی ہوئی کاجو کی تھیلی ان کے چہرے کے آگے نچائی !"

وہ گھبرا کر سیدھے ہو بیٹھے پھر دونوں چیزوں کو گھور کر بولے " یہ تمہاری بڑی بُری عادت ہے کہ میرے کمرے میں بیٹھ کر الم غلم چیزیں کھاتی پیتی ہو۔ بھلا یہ نجس تھیلی تم نے میرے تکیے تلے کیا سمجھ کر چھپا دی ۔ غارت کر کے رکھ دیا ناغلاف"

میں نے غارت کر دیا ؟" انہوں نے دانت پیسے " سچ کہتی ہوں اب آپ روز بروز کچھ اور بھلکڑ ہوئے جا رہے ہیں ۔ یہ نہیں کہتے کہ ہشام نے کاجو آپ کو کھلائے اور آپ نے بچے ہوئے کاجو تکئے تلے رکھ دیئے !"

میں کہتا ہوں ۔ تمہارا حافظ اب روز بروز دغا دے رہا ہے ۔ تم صبح سویرے بادام کھایا کرو ۔ واللہ یہ بھی خوب رہی ۔ کوئی سنے گا تو کیا کہے گا میں نے چھوٹے بچے کی طرح ہشام سے کاجو لے کر کھائے اور ۔ اور ۔۔"

اچھا اچھا میں ہی سٹھیا گئی ہوں ۔ یہی سہی " وہ غصے سے بولیں " یہاں تو ہر بات مجھ ہی پر الٹ پڑتی ہے ۔ سب کچھ جانتے بوجھتے میں نامراد جانے کیوں الجھ پڑتی ہوں ۔ اب چلئے گا کھانے کے لئے کہ یہیں کھانا لاؤں اور ہاتھ سے نوالہ بنا کر منہ میں دوں ؟"

" کھانا ؟" پھوپھا ابا جو بے حد انہماک سے بیوی کا لیکچر سُن رہے تھے۔ خوش ہو کر بولے " خواہ مخواہ اتنی دیر تک وقت ضائع کیا۔ پہلے ہی کہہ دیتیں کہ کھانا نکالا ہے ۔ تمہارے سر کی قسم ۔ میرے پیٹ میں تو چوہے بلیاں سب ہی دوڑ رہے ہیں !"

منصور نے ہشام کو ٹہوکا دیا ۔ وہ ٹہوکا کھا کر بولا ۔ ؟؟

کے بعد جب ہشام صاحب ۔۔۔ جرکن اور چاندنی سا سفید پتلون پہن کے پلے گراونڈ تشریف لے جا رہے تھے ۔ رمضانی منصور کے اجلاس پر طلبی کا حکم لے کر پہونچ گیا ۔

" جلدی بلایا ہے میاں "

جلدی !! " ہشام نے ماتھا پیٹ کر کہا " کیا قاضی صاحب دوسری جگہ نکاح پڑھانے جا رہے ہیں ؟ "

نکاح ؟ " رمضانی نے آنکھیں نکالیں "

" پھر جلدی کا ہے کی ؟ "

" میاں وہ ماشٹر صاحب آئے ہیں ! "

لگ گئی سکرات " ہشام کراہا " ابے ۔ میں بھاگا جاتا ہوں ۔ تو کہہ دیجیو کہ میاں کمرے میں نہیں ملے ۔ کہیں باہر تشریف لے گئے ہیں "

نہیں میاں " رمضانی نے نفی میں سر ہلایا " مجھے اپنی چندیا گنجی نہیں کروانی ہے ۔ آپ نہھے سے ہنس رہے تھے ۔ منصور میاں نے سب سُن لیا ۔ جبھی تو بھیجا ہے مجھے کہ اُس سے کہو بتیسی بند کرے اور فوری آئے ! "

رمضانی نے عمر بھر سین کو شین کہا تھا ۔ ہونق سا بیس اکیس سال کا لڑکا تھا اور ہشام سے اس کی خوب پٹتی تھی ۔ دونوں رازدار دوست تھے ۔

چنانچہ ہشام کو آدمیوں کا لباس پہن کے اور بتیسی مضبوطی سے بند کر کے منصور کے پاس جانا پڑا ۔ گیا اور جاہل مطلق گنواروں کی طرح کسی قسم کے بھی رسمی سلام دعا کے بغیر کھڑا ہو گیا ! " حالانکہ منصور کے علاوہ سب نے اسے تاکید کی تھی کہ کوئی بھی بزرگ یا باپ بھائی اور چچا کا ملاقاتی آئے تو اسے سلام ضرور کرے ۔ اس وقت منصور کو بے حد غصہ آیا پچھلے سے دانت بھینچ کر انہوں نے سرد لہجے میں کہا "

"سلام کرو!"

ہشام نے بڑے ادب سے منصور کو سلام کیا۔ ان کا پارہ اور چڑھ گیا۔ جی چاہ رہا تھا کہ پیٹ کر رکھ دیں۔ یا خوب سا پھٹکاریں۔ مگر وہ ضبط کر کے بولے:

"مجھے نہیں۔ آپ کو۔ یہ صاحب تمہارے ٹیوٹر۔ مطلب یہ کہ تمہارے استاد ہیں۔ روز اسی وقت تم کو پڑھانے آئیں گے۔ تھوڑا تو تم کو آتا ہی ہے۔ میں نے حضرت سے کہا ہے کہ تمھیں ساتویں جماعت کے امتحان کے لئے تیار کر دیں۔ پھر پرائیویٹ طور پر میٹرک کر لینا۔ اس کے بعد تعلیم آسان ہے جھٹ پٹ انٹر اور بی۔ اے ہو جانا۔ اور ـــ"

جی ہاں" استاد صاحب موٹی آواز میں بولے" بشرطیکہ صاحبزادے نے جی لگا کر پڑھ لکھ لیا۔ آپ دیکھئے مسٹر منصور کہ میں نے گارنٹی دے کر طالب علموں کو پاس کروایا ہے!"

جی ہاں" منصور نے جواب دیا" اصلی چیز تو طالب علموں کی دلچسپی، محنت اور لگن ہے۔ اچھا تو ہشام۔ اپنی کتابیں لاؤ" آج ہی سے پڑھائی شروع ہو جائے۔ یوں بھی بہت وقت ضائع ہو چکا ہے"

کک۔ کون سی کتابیں؟" نہایت پریشان ہو کر ہشام نے پوچھا۔ جو تم نے پڑھی ہیں۔ نامعقول!" منصور کو غصہ آگیا"

ایچھا۔ وہ تیسری جماعت کی۔ ابھی لایا" وہ مستعدی سے بولا اور بھاگ کر اندر چلا گیا۔ منصور نے بے حد ندامت سے کہا: اب کیا عرض کروں جناب۔ ماں باپ اور دوسرے متعلقین کے بے جا لاڈ پیار نے اسے قطعی کودا کر کے رکھ دیا ہے۔ حد ہے کہ تیسری کلاس کے بعد اس نے آج تک کچھ پڑھا

ہی نہیں ۔ اس کے ساتھ کے لڑکے آج ایم ۔ اے کر چکے ہیں ۔ آپ سے درخواست ہے جناب کہ اس بیل کو کسی طرح آدمی بنا دیجئے ۔ میں تو یہ سوچ کر کڑھتا ہوں کہ آخر اس کے مستقبل کا کیا ہو گا ؟"

"مطمئن رہئے ۔ میں اپنی سی کوشش ضرور کر دوں گا ۔" ٹیوٹر صاحب نے جواب دیا ۔ انہیں تنخواہ کے ڈھائی سو روپے ماہانہ بھلا کہاں برے لگ رہے تھے ۔ جبکہ حسب روایت ان کی جیب پہلے ہی گرم ہو چکی تھی ۔

"کوڑھ مغز اور حد درجہ غبی ہے ۔ آپ کو کچھ صبر و ضبط سے کام لینا پڑیگا ۔ منصور نے کہا ۔" کیونکہ ایک معمولی سی بھی بات اس کے بھیجے میں کچھ مشکل سے اترتی ہے ۔ لیکن مجھے امید ہے کہ آپ بہر صورت اسے کسی قابل تو بنا ہی دیں گے ۔ براہ کرم اتنا خیال رہے کہ حد سے زیادہ ڈانٹ ڈپٹ نہ کیجئے گا ۔ چھوٹا سا بچہ تو ہے نہیں ۔ ہو سکتا ہے کہ بددل ہو کر پڑھنے سے انکار ہی کر دے !"

"بہت اچھا ۔ میں خیال رکھوں گا !" ٹیوٹر صاحب بولے ۔

ہشام صاحب تشریف لائے ! بڑے اہتمام سے فخریہ انداز میں تین چار پھٹی پرانی ردی بوسیدہ سی کتابیں کاپیاں اس طرح ماسٹر صاحب کے سامنے رکھ دیں گویا کہتے ہوں کہ سپردم بتو مایۂ خویش را ۔ اس کے بعد تم جانو تمہارا کام جانے ۔ حساب کم و بیش دوسرا دیکھے ۔"

منصور نے سخت شرمندگی سے ہونٹ چبائے ۔ ماسٹر صاحب حیران دکھائی دئے ۔ مسکراہٹ فقط ہشام کے لبوں پر تھی ۔"

منصور کو ڈر لگا کہ کہیں وہ اسے مار نہ بیٹھیں ۔ لہذا انہوں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور بولے ۔"

"آپ ان کا امتحان لیجئے۔ میں چلتا ہوں۔ کچھ چائے وغیرہ" وہ اٹھ کر چلے گئے۔؟"

"بیٹھئے!" ماسٹر صاحب نے ہشام سے کہا۔ وہ بھس بھرے بورے کی طرح صوفہ پر یوں بیٹھا کہ اسپرنگ بول اٹھے"

"جب کوئی بیٹھنے کی دعوت دے تو شکریہ کہتے ہیں" ماسٹر صاحب نے کہا۔ "مجھے تو آج تک کسی نے بیٹھنے کی دعوت نہیں دی" ہشام نے حیرت سے کہا"

میرا جب جی چاہتا ہے۔ خود ہی اٹھ جاتا ہوں خود ہی بیٹھ جاتا ہوں۔ اور میں تو یہ سمجھتا تھا کہ۔ دعوت فقط بریانی اور شاہی ٹکڑوں کی ــــ"

صاحبزادے۔ صاحبزادے۔ آپ کہاں کی ہانک رہے ہیں" ماسٹر صاحب نے ٹوکا" میری آپ سے گزارش ہے کہ براہ کرم پڑھنے لکھنے میں دل لگائیے" میں منصور صاحب کے سامنے سبک اور خفیف ہونا نہیں چاہتا۔ میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ آپ کو مڈل اور میٹرک کے لئے ضرور تیار کر دوں گا۔! مجھے یہ بتائیے کہ آپ نے پڑھائی چھوڑ کیوں دی۔ کیا آپ کو یہ امنگ نہیں کہ آپ بھی ڈگری ہولڈر کہلائیں؟" اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں میں آپ کا نام بھی لیا جائے؟ اتنی ساری عمر آپ نے ضائع کر دی اس کا آپ کو افسوس نہیں ہے؟"

"ہے ماسٹر صاحب۔ بہت ہے" ہشام نے تقریباً روتے ہوئے کہا" مگر جب بھی میں نے افسوس کیا۔ مجھے ممی نے گلے لگایا اور بولیں کہ دور پار دشمن میرا اکلوتا بیٹا نگوڑی چار حرف پڑھائی کے لئے آنسو بہائے۔ خون جلائے۔ نوج وہ کون سا نوکری کرنے جا رہا ہے۔ اللہ رکھے۔ باوا کی

اتنی جاگیر ہے کہ مرتے دم تک آرام سے بیٹھ کر کھا سکتا ہے۔ اور بس۔ ماسٹر صاحب۔ انہوں نے کتابیں اٹھا کر تاخ پہ دھر دیں اور آنسو پونچھ کر بولیں۔ جا بیٹے دماغ خالی نہ کر۔ جا کے کھیل کود آ۔! آپ ہی بتلائیے میں ممی کا کہا کیونکر ٹال دیتا!"

بے حد شدت سے اپنا غصہ ضبط کر کے ماسٹر صاحب بولے "اچھا تو کیا آپ کے والد صاحب بھی کچھ نہیں بولتے تھے۔؟"

ہشام ہنسا "ارے۔ والد صاحب کی آپ نے بھلی چلائی۔ مجال ہے کہ ممی کے سامنے ڈیڈی کے فرشتے بھی پر مار جائیں۔ انہیں منہ تک کھولنے نہیں دیتیں۔ ڈیڈی ہکلا کے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ ممی زوردار ڈانٹ سے انہیں چپ کر دیتی ہیں۔ بے چارے میرے ڈیڈی۔ کبھی کبھار تو چھپ چھپ کر روتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ بیٹا کہنا مت اپنی ممی سے کہ میں رو رہا تھا۔ وہ اور خفا ہوں گی۔ تعجب نہیں کہ مار ہی بیٹھیں!"

لاحول ولا قوۃ!"

جی ہاں اور کیا" ہشام نے پھر سلسلہ جوڑا "ایک دفعہ لکڑی لیکر ان کے پیچھے دوڑیں تھیں۔ وہ تو بھاگ کر کمرے میں چھپ گئے مگر میں بیچ میں آگیا۔ اف فوہ لکڑی میری پیٹھ پہ دو ہو گئی۔ یقین کیجئے۔ ماسٹر صاحب رات کو میری آنکھوں کے سامنے سورج چمک گیا"

باتوں میں وقت مت ضائع کرو" ٹیوٹر صاحب بد دل ہوتے جا رہے تھے"

مجھے بتائیے۔ آپ نے اب تک کیا کیا پڑھ لیا ہے۔ میں آپ کی علمی استعداد کا اندازہ لگانا چاہتا ہوں تاکہ اسی کی مناسبت سے آگے پڑھاؤں!"

"تیسری کلاس کی کتابوں کے سامنے تو بڑے سے بڑا میٹرک پاس میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔" ہشام فخریہ انداز میں ہنس کر اور شان سے سینہ پھلا کر بولا۔ "آپ پڑھوا لیجئے۔ کوئی سا سبق۔ مثلاً یہ ہرن اور خرگوش کی کہانی، شیر اور لومڑی کی کہانی۔ اور۔۔۔"

ماسٹر صاحب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ ان کا دل چاہتا تھا کہ زوردار طمانچہ اس کے گال پر چھوڑ دیں۔ یہ عمر اور یہ باتیں۔ وہ تو پوسٹ گریجویٹ طالب علموں کو بھی کوچ کرتے تھے۔ انہیں منصور پر بھی غصہ آ گیا۔ اس کو دن کے لئے کسی راہ چلتے کا انتخاب بھی درست تھا۔ انہوں نے اس کی ردی کتابیں اسی کے آگے سرکا دیں اور ٹھنڈی سانس لے کر بولے:

"صاحبزادے۔ بات دراصل یہ ہے کہ میرے دماغ میں اتنا گودا نہیں جو میں آپ کے ساتھ سر پھوڑ سکوں۔ میں بڑے افسوس سے معافی چاہتا ہوں۔ آپ یہ فیس کی رقم مسٹر منصور کو واپس کر دیجئے اور ان سے کہہ دیجئے کہ میں کل سے نہیں آؤں گا۔"

انہوں نے بڑے اکراہ سے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ڈھائی سو روپے نکال کے اسے تھما دئے!" دفعتہً یوں محسوس ہوا کہ ہشام کے چہرے پر چاندنی سی کھل گئی ہو۔ بے حد شوق سے دانت نکال کر اس نے یوں نوٹ تھامے۔ جیسے کہ اپنے کسی بزرگ سے عیدی وصول کر رہا ہو۔ اس کے چھوٹے تبسم سے ماسٹر صاحب کے اندر آگ لگی۔ مگر وہ کچھ بولے نہیں۔ بس جان بچی لاکھوں پائے کے انداز میں کمرے سے نکل کر چلے گئے۔

ہشام نے بڑے اطمینان سے نوٹ اپنی جیب میں رکھے اور رمضانی کو آواز دی۔ وہ سودے کی تھیلی پکڑے باہر آ ہی رہا تھا۔ اس کی آواز پہ تیزی سے قدم بڑھائے:

"ابے سن" کا ہلی سے ہشام نے پوچھا "پلازا میں کیا چل رہا ہے؟"
رمضانی کو شہر بھر میں چلنے والے فلم ازبر رہتے تھے۔ خوش ہو کر پوچھا
"پلاڑا میں۔ میاں!"
"ابے ہاں!"
"شن آف انڈیا" بے حد خوش ہو کر رمضانی نے اطلاع دی۔
"تو نے دیکھی؟"
نہیں دیکھی" رمضانی نے منھ لٹکا کر کہا "بیگم شاب نے گھونسہ مار کر جیب سے پورے پیسے نکال لئے۔ بولی تھیں کہ اگر پھر کبھی سنیما کا نام لیا تو بوٹیاں کاٹ کر چیل کوؤں کو کھلا دوں گی!"
کہہ کے نہ جایا کر و یار" ہشام نے مشورہ دیا "بے کہے سنے چل دیا کرو۔ اچھا آج پانچ بجے بن ٹھن کے تیار رہنا۔ ہم سن آف انڈیا دیکھنے چلیں گے"
آج نہیں ہو سکتا۔ میاں" رمضانی بولا "آج بیگم شاب کے پاش انکی کوئی شی بہن کی شاجزادی آ رہی ہیں۔ وہ کیا نام۔ جن کے خوب شے لمبے بال ہیں۔ ایک دن شبرات میں جن کے پیچھے آپ نے پٹاخہ چھوڑ کے ڈرایا تھا!"
ہائیں!" تجھے کیسے معلوم کہ وہ آ رہی ہیں" ہشام نے دیدے پھرائے۔
"انہی کے لئے تو میں پلاؤ اور کوفتے کا شودا لانے جا رہا ہوں"
رمضانی کو رخصت کر کے وہ اندر آیا۔ سب سے پہلے سامرہ سے مڈ بھیڑ ہوئی۔ اسے علم تھا کہ ہشام صاحب ننھے بچے کی طرح پڑھنے بیٹھے ہیں چونکہ اس کی اور ہشام کی ازل سے چیٹم چوٹ رہتی تھی۔ لہٰذا اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی سامرہ نے برا سا منھ بنا لیا۔
"جب بھی تم سامنے آ جاتی ہو۔ میرا ہر کام چوپٹ ہو جاتا ہے" وہ بھی برا

سا منھ بنا کر بولا: "کالی بلی کے متعلق ایسی روایت میں نے سُنی تھی!"

"کیوں۔ کونسا ایسا ضروری کام ہوتا ہے۔ جیسے آپ بڑے لاٹ گورنر بنکے انجام دیتے ہیں" سامرہ نے جل کر کہا: "میں تو جانوں کہ دنیا میں سب سے ناکارہ آدمی ایک آپ ہیں۔ لکھنے کے نہ پڑھنے کے۔ ایکدم واہیات!"

"اچھا اچھا یہ ٹرٹر بند کرو" ہشام نے اسے ڈانٹا:

"قیامت قریب ہے لڑکیوں کی اتنی لمبی زبان۔ اماں باوا نے سکھایا ہی نہیں کہ مردوں سے ادب تمیز سے بات کرنی چاہئے۔ مجھے تو گویا ارمان ہی رہ گیا کہ کبھی تو تم رڈھانک کے اور آنکھیں جھکا کے میرے سامنے آؤ۔ منھ۔ یہ بھی کوئی بڑی خوبی کی بات ہے کہ سر جھاڑ منھ پہاڑ مردوں کے سامنے چلی آتی ہو.... سسرال میں نبھنے کی یہ باتیں نہیں ہیں"

مارے غصّے کے سامرہ ہانپ گئی:

"آپ ہوتے کون ہیں اتنی بکواس کرنے والے۔ بڑے آئے۔ اماں باوا اور جنم جلی سسرال کو گننے والے۔ آپ خود سسرال میں ڈنڈے کھائیں گے۔ سارے میں تھڑی تھڑی ہو گی۔ اتنے بڑے گینڈے ہو گئے ہیں۔ الف کا نام بیل تک نہیں آتا۔ عمر بھر یوں ہی جوتیاں چٹخاتے پھریئے گا۔ کوئی فقیرن بھی اپنی بیٹی نہیں دیگی پھر شرم کے مارے ڈوب مرنے کو کہیں چلّو بھر پانی بھی نہ ملے گا" غصّے میں جو کچھ اس کے منھ میں آیا۔ بکے گئی:

ہشام ہنسنے لگا: "آہا۔ اس دھوکے میں بھی نہ رہنا۔ تمہارے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔ ایک بہت حسین و خوبصورت لڑکی سے میں نے دوستی کر رکھی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ ہشام صاحب آپ جیسے بھی ہیں۔ بہت خوب ہیں۔ آج کہئے تو میں آج ہی نکاح آپ سے کر لوں۔ مگر میں مجبور ہوں۔ کیونکہ جبتک گھر میں مرنے والی

بہنوں کی شادیاں نہ ہوں ۔ بھلا میں کیسے اس بے چاری سے نکاح کر سکتا ہوں "

" آئینے میں صورت دیکھی ہے کبھی ! "

" ارے میں تو اپنی صورت پر آپ عاشق ہوتے ہوتے بچا ہوں "

یہ آپ نے کون سی بہنوں کو کہا ہے کہ گھر میں مری ہیں " نیلے پیلے دیدے نکال کر سامرہ نے پوچھا "

" چچا میاں کی ایک پھوہڑ بد زبان اور ڈاٹھی چھوکری ۔ دو عدد بد شکل بھتیجیں ابصار صاحب کی ! " اطمینان سے ہشام نے کہا "

آپ سے سر پھوڑنا اپنی جہالت ہے ! " سامرہ بولی اور ایک حقیر نظر اس پر ڈال کر چلی گئی "

گئے تمہارے ٹیوٹر صاحب ؟ " اُدھر سے بھابی گزریں "

" جیتی رہیئے بھابی ۔ آپ نے مجھے بڑی شرمندگی سے بچا لیا ۔ میں انھیں ٹماٹر صاحب کہہ رہا تھا ! " مگر آپ کو کیسے پتہ چلا صحیح " الفاظ " ٹیوٹر ہے ؟ "

بے حد افسوس ہوتا ہے تمہاری حالت پر " انہوں نے ٹھنڈی سانس لی ۔

" بس میرے پاس ایک ڈگری ہی تو نہیں ہے اور میری عام معلومات تو بے حد وسیع ہیں ۔ درجنوں اشعار ، عمدہ مقولے اور نصیحت آموز حکائتیں مجھ سے سن لیجئے ! " فی الحال ایک اشعار سناؤں ! "

شعر کہو ۔ شعر ۔ اشعار شعر کی جمع ہے "

اُونہہ سب چلتا ہے ۔ اتنی باریکیوں پر نظر کیجئے گا تو زندگی اجیرن ہو جائے گی ۔ آپ شعر سنئے ! "

" سُناؤ ! " بھابی کو عمدہ اشعار سننے اور جمع کرنے کا بے حد شوق تھا ۔

اس نے بے حد لہک کر پڑھا ۔ ؎

وصل کی رات اور اتنی مختصر
سانپ کی طرح سے آپ آتے رہے جاتے رہے۔

پھر شعر کی تشریح کرنے لگا: "کیا بات کہدی ہے بھابی ظالم نے۔ جیسے سانپ لپ لپ کرتا ادھر سے آیا ادھر گیا۔ لوگ ہاتھوں میں ڈنڈے لئے منتظر کھڑے ہی رہ گئے کہ اب نظر آئے سالا تو اس کا قیمہ بنا دیں۔ اسی طرح سے شاعر کا محبوب الو کا پٹھا ــــــ"

بھابی کے بھیجے میں بھی اتنا دم کہاں تھا کہ وہ اس کی بکواس سنتیں۔ انہوں نے ایک آہ سرد کھینچی۔ ترحم آمیز نگاہوں سے اُسے دیکھا اور کچھ کہے بغیر جٹ کر چلی گئیں!"

ہشام نے جیب میں پڑے نوٹوں کو ٹٹولا اور چپکے سے بولا: "بیٹے ڈھائی سو تم اس جیب میں پھلتے پھولتے نظر نہیں آتے!" اور خود بھی ایک مضحکہ خیز آہ بھر کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا!"

سائرہ آج صبح ہی سے بے حد خوش تھی۔ اسے ممی نے بتایا تھا کہ چند دنوں کے لئے مسحور ان کے ہاں رہنے کے لئے آرہی ہے۔ اس کی حقیقی خالہ زاد بہن تھی۔ ان دنوں اس کی دادی کا پونہ میں انتقال ہو گیا تھا۔ چونکہ ان کی وفات کے وقت مسحور کی امی اور ابا جا نہ سکے تھے۔ لہٰذا اب ان کا جانا ناگزیر تھا۔ مسحور کا ٹرمنل امتحان قریب تھا۔ اس لئے اس کے والدین نے اسے اس کی خالہ کے پاس چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا!۔ اس شام تک اس کی آمد متوقع تھی۔
سائرہ کا کمرہ گھر میں سب سے الگ تھلگ تھا۔ اس نے اپنا کمرہ بڑی خوبصورتی

اور دلچسپی سے سجایا تھا۔ اور اب مسحور کو اپنے ساتھ ہی رکھنا چاہتی تھی۔ دونوں تقریباً ایک ہی عمر کی تھیں۔ سال چھ مہینے کی کوئی سی بڑائی چھٹائی ان میں تھی لیکن دونوں کی طبیعتوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ سامرہ تیز طرار اور بلا کی لڑکی تھی۔ جب جی چاہتا بڑوں کا ادب کرتی۔ اور موڈ نہ ہوتا تو انہیں کبھی خاطر میں نہ لاتی۔ اپنے مزاج کی وجہ سے اس نے ابھی تک کسی لڑکی کو اپنی سہیلی تک نہ بنایا تھا۔ ویسے لڑکیاں خود اس سے کتراتی تھیں۔ جھاڑ کا کانٹا بن کر لپٹ پڑتی۔ گھر میں بھی وہ سب سے کھنچی کھنچی رہتی۔ اس کے مشاغل بھی بے حد خشک تھے۔ نہ اسے سیر سپاٹوں کا شوق تھا نہ فلم بینی کا۔ اور نہ وہ کسی سے دیر تک باتیں کرنے کی عادی تھی! اس کی خالص اور اکلوتی تفریح کتب بینی تھی۔ فرصت کے اوقات میں بس پڑھا کرتی دن رات کے مطالعہ سے اس کی عام معلومات بہت وسیع ہو گئی تھیں۔ دوسرا مشغلہ باغبانی تھا۔ مالی کے ساتھ مل کر اپنے پائیں باغ کی دیکھ بھال کیا کرتی۔ بڑے اچھے اچھے رنگ برنگی کروٹن اور طرح طرح کے گلاب وہ نرسری سے لاتی تھی۔ جو اس کے خوبصورت چمن کی بہاریں اضافے کا باعث بن رہے تھے!

مسحور اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی تھی۔ اس کے آگے پیچھے تین چار بچے ضائع ہو چکے تھے۔ چنانچہ وہ قدرتی طور پر ماں باپ کی تمام تر محبتوں کا مرکز تھی۔ اسے عیش و آرام نصیب تھا۔ محبت ملی تھی۔ لیکن نجانے اس کی افتادِ طبع کو کیا ہوا تھا۔ اس نے کسی کی محبت کی پرواہ نہیں کی۔ اسے اپنے آرام و آسائش کا بھی احساس نہ تھا۔ عجیب سی کھوئی کھوئی لڑکی تھی۔ جیسے اٹھارہ انیس سال کی عمر میں اسّی نوّے کی سنجیدگی سمیٹ لائی ہو۔ بے حد حساس، جذباتی اور زود رنج تھی۔ کوئی اسے ذرا سی بات کہہ دیتا تو وہ اسے دکھ یا شکھ

کا بہانہ بنائے پہروں سوچا کرتی۔ گم صم رہتی۔ ماں باپ اسے سمجھا بجھا کے ہار گئے۔
اس قدر جذباتی ہونا اچھی بات نہیں ہے۔ زمانہ ہمیشہ انسانوں کے درمیان بدلتا
رہتا ہے۔ کون جانے کل کیسا ہو۔ آدمی کو ہر اچھی بری گھڑی کا مقابلہ کرنے کے
لئے آمادہ و تیار رہنا چاہئے۔ حساس انسان سکھ سے جی نہیں سکتا۔ پل پل
کی موت مرتا ہے۔ اسے نہ کسی کی رفاقت اچھی لگتی ہے نہ وہ خود کسی کی تنہائی
کا ساتھی بن سکتا ہے!“ اور اسی قسم کی سیکڑوں نصیحتیں اس نے سنی تھیں اور
ان کا قطعی کوئی اثر نہ لیا تھا۔ وہ اپنی قنوطی فطرت کو رجائیت سے بدل نہ سکی!!
قدرت نے اسے دل کھول کر دلکشی اور جاذبیت دی تھی۔ بے پناہ حسینوں
میں اسکا شمار نہیں ہو سکتا تھا مگر وہ اتنی پرکشش اور جاذب زیبا تھی کہ کم از کم
سو پچاس لڑکیوں کے جھرمٹ میں نمایاں دکھائی دیتی! لیکن اس کی قنوطیت
نے اس کی دلکشی پر عجیب سا کہر منڈھ کے رکھ دیا تھا!“ سنجیدگی اور بزرگی“
نے اس کی ساری کشش کی ایسی تیسی کر کے رکھ دی تھی!“
سامرہ کے ڈیڈی افتخار احمد صاحب کے یہاں وہ اکثر آتی اور مہمان رہتی تھی۔
کوئی نئی بات نہیں تھی۔ لیکن ابکی اس کا قیام کچھ طویل ہونے والا تھا۔ اس
کے والدین کچھ خاندانی جائداد کے بٹوارے اور کسی مقدمہ کے فیصلہ تک پونہ
ہی میں رکنے والے تھے!“

ہشام بھی اسی گھر میں رہتا تھا۔ افتخار احمد صاحب کے والد نے وصیت کر
رکھی تھی کہ ان کے بعد ان کے بچے افتخار احمد، ابصار احمد اور سلیمہ بیگم کبھی علاحدہ
گھر بسانے کا خیال نہ کریں۔ ہمیشہ ساتھ رہیں۔ ورنہ ان کی روح کو آسمان
پر بھی قرار نہ آئے گا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں کافی بڑا مکان بنوا لیا تھا
اور خود اپنی مرضی سے افتخار صاحب، ابصار صاحب کو ان کے حصے دیدیے تھے

گھر ایک تھا۔ سب کا آنگن ایک تھا۔ ہانڈی چولھے بھی بٹوارے کی لعنت و نحوست سے محفوظ تھے۔ صرف کمرے الگ الگ تھے!"

سلیمہ بیگم۔ بھی اسی مکان میں آباد تھیں۔ جس طرح ان کا گھر ایک تھا۔ اسی طرح اُن مختلف قالبوں میں دل بھی ایک تھا۔ اتفاق، اتحاد، اور محبت کی خوشیاں ان سب پر سایہ فگن تھیں!" بڑوں کی طرح بچے بھی بڑے پُر محبت، مخلص اور زندہ دل تھے۔ افتخار صاحب کے بچے منصور، ماہرہ، اشہد، ساحرہ ابصار صاحب کے بچے، ہشام، شینا اور صدف، آپس میں ایک تھے"

منصور اور ماہرہ کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ ماہرہ کا ایک ننھا منا بچہ تھا۔ ان کے شوہر ائیر لائینز میں چیف انجینئر تھے۔ حال میں منصور کی شادی ماہرہ کی گہری سہیلی نجمہ سے ہو گئی تھی!" عجیب اتفاق تھا کہ اگر منصور کی شادی بہن کی سہیلی سے ہوئی تھی تو ماہرہ کی شادی منصور کے اپنے جگری واحد دوست ایثار احمد سے ہوئی تھی!" اس طرح خاندانوں میں کافی وسعت اور استحکام پیدا ہو گیا تھا۔ ایثار بھی بڑے خوشمزاج اور زندہ دل تھے"

شام تک مسحور اپنی ایک خادمہ کے ساتھ آ گئی۔! گھر بھر اس کے استقبال کے لئے دالان میں اکٹھا تھا!"

ساحرہ کی ممی نے اسے گلے سے لگا لیا!۔ پیشانی چومی اور بولیں "اے بیٹی اس موسم میں نکلی ہو۔ آسمان پر بادل برسنے کو تلے کھڑے ہیں۔ ہوائیں دم گھونٹے دیتی ہیں.... تمہارے ابا امی گئے؟"

جی ہاں" اس کی آواز بھی بڑی مسحور کن تھی۔ سیدھے سادے صندلی رنگ کے کپڑوں میں ملبوس بے حد دلکش لگ رہی تھی۔ آدھے سر کو ڈھانکے ہوئے آنچل نے اس کی معصومیت اور سادگی میں پُر کشش اضافہ کر دیا تھا۔

اپنی خالہ سے مل کے وہ کرسی پر ٹک گئی ؛

سامرہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ پھر ایک لاپرواہ مغرور نظر ہشام پر ڈال کر یوں چہرہ پھیر لیا جیسے اس جاہل اعظم کی موجودگی اسے وہاں کھل گئی ہو۔ سب لوگ اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔ بھابی نے سامرہ سے کہا: "یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے کوئی نیا آدمی گھر میں آیا ہو۔ سامرہ اسے لے جاؤ اس کا کمرہ دکھا دو۔ اور نصیبن خالہ سے کہنا کافی یہاں دے جائیں!"

"اچھا بھابی" سامرہ نے اٹھتے اٹھتے مسحور کا ہاتھ تھام لیا: "آؤ چلیں۔ اب تو بہت روز کے لئے یہاں رہو گی نا۔ میرے کالج میں بھی بیس روز کی چھٹیاں ہیں۔ ہم خوب گھومیں پھریں گے۔ اچھا؟"

مسحور صرف مسکرائی اور سامرہ کے ساتھ چلی گئی ؛

ہشام کی امی نے کہا: "اے بڑی آپا سچ کہتی ہوں کہ جب سے منصور کی شادی ہوئی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے۔ خاندان بھر میں شادیاں ہی ہوا کریں۔ اپنے گھر میں بھی اللہ رکھے شادی کے قابل بچے ہیں۔ انہیں گھر بار کا کر دینا اچھا۔ میرا تو جی نہیں چاہتا کہ اب سامرہ اور مسحور آگے پڑھیں۔ آخر ماہرہ اور نجمہ نے بی۔ اے تک پڑھا مگر انہوں نے نوکریاں تو کی نہیں نا۔!"

"ارے بھائی۔ تم پلاؤ قورمہ کھانے کے چکر میں بے چاری بچیوں کی شادیوں کی آڑ کیوں لیتی ہو۔ میں یوں بھی تمہیں کھلا دوں گا" ابصار صاحب نے کہا: "ان بے زبانوں کو ماہرہ اور نجمہ کی طرح کم از کم بی۔ اے تو ہونے ہی دو۔؟"

"آپ نے اپنے دلارے لونڈے کا تو ناس مار ہی دیا۔ لڑکیوں ہی کو ـــــ!"

پھوپھا ابا نے ادھر ادھر چکر لگا کر دیکھا اور پھر جھک کر بیوی سے کہا: "یہ کون لڑکی تھی میں نے ابھی تک اسے نہیں پہچانا؟"

"ارے سید میاں وہ میری بھانجی ہے۔ مسعود شوکت، میری بہن کی بچی" سامرہ کی ممی ہنس کر بولیں "شوکت بھائی تو یاد ہیں نا تمھیں"

ہاں ہاں!" وہ چونکے "کیا وہ خدانخواستہ ــــــ"

"اللہ رکھے زندہ ہیں۔ کوئی ایسی ویسی بات منھ سے نہ نکالئے گا" پھوپھی نے چڑھ کر جلدی سے کہا "آپ کی عجیب عادت ہے۔ جس کسی کا تذکرہ سنتے ہیں۔ خدانخواستہ کہہ کر اُسے مرحوم کر دیتے ہیں!"

نفسیاتی پیچیدگی ہے بی بی!" افتخار صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ان پر جو حادثہ عین عالم شباب میں گزرا۔ وہ اسے نہ بھول سکے نہ یاد رکھ سکے۔ بس ایک گرہ سی پڑ کے رہ گئی ہے ذہن میں!"

بڑے لوگ اپنی باتوں میں مشغول تھے۔ ان سب کو یکبارگی مشتعل اور برہم کر کے محفل کا رنگ بدلنے کے لئے ہشام نے ننھے ابرار سے کہا:

"ابی۔ آؤ چلو۔ ہم گولیاں کھیلیں!" اور اپنے پتلون کی جیبیں بجائیں جو شیشے کی گولیوں سے لبریز تھیں اور کھن کھن بج اٹھی تھیں۔ ننھا اپنی آپا کے پاس بیٹھا دودھ پی رہا تھا۔ آدھا گلاس چھوڑ کر لپکا۔ باجی ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئیں۔ ہشام اور ننھا بھاگتے ہوئے برآمدہ میں چلے گئے"

ہشام نے جیب سے ڈھیروں گولیاں نکالیں اور فرش پر بکھرا دیں۔ پھر دونوں ہم عمروں کی طرح گولیاں کھیلنے لگے۔ اگر ننھا چیخ رہا تھا تو ہشام بھی چیخ رہا تھا"

ابرار۔ یار وہ "بے مانی" کی سہی نہیں ہے" ہشام کنکھیوں سے دالان میں موجود لوگوں کو دیکھ کر کافی بلند آواز میں بولا "تم نے صاف دو گولیاں نیکر میں چھپالی ہیں۔ نکالو انھیں۔ نہیں تو جاؤ ہم نہیں کھیلتے"

سواد دس سال کے ابرار صاحب نے فرمایا "جاؤ یا نہ جاؤ" انہوں نے اپنی توتلی بولی میں یارو کو یالو کہا تھا۔ پھر بولے تھے "چاچی چاچا آپ بے حالی کل لہے ہیں۔ تتالیئے دڈ ددلیاں۔ نہئیں تو ہم بھی نہیں تھیلتے۔ ہاں!"
مٹھی بھر گولیاں فرش پر کھن کر کے بکھیریں۔ ہشام نے قہقہہ لگایا "
کٹ۔ وہ مارا۔ ہاہاہا!"
تت۔ وہ مالا" ابرار نے نقل کی "
افتخار صاحب نے گردن اونچی کر کے ادھر دیکھا۔ اور پھر بولے "سمجھ میں نہیں آتا کہ ان دونوں میں بڑا کون ہے چھوٹا کون؟"
دفعتہً سامرہ نے دروازہ کھولا اور شعلہ جوالا بنی برآمدے میں نکلی اس کے پیچھے مسحور بھی تھی؟"
شور مچانے کے لئے آپ کو یہی جگہ ملی تھی؟" سامرہ ہشام پر چڑھ دوڑی "
" آپ کو ایسی ہی فضول حرکتیں کرنی ہیں تو آپ لان پر باغ میں یا سڑک پر کیوں نہیں جاتے" باجی بھی ننھے کو منع نہیں کرتیں۔ خواہ مخواہ الٹی صحبت میں خراب ہوا جا رہا ہے!"
مسحور نے دیکھا۔ اب وہ پہلے سے کافی بڑا لگ رہا تھا۔ اونچا پورا، صحت مند، چہرے پر شرارت کی چمک تھی!" آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ سفید پتلون اور کاہی جرکن میں بڑا پرکشش ہو رہا تھا!"
دفعتہً مسحور کی نظریں ہشام کی نظروں سے مل گئیں۔ وہ گڑبڑا گئی۔ مگر ہشام جھنجھلا کے بولا "کل آپ فرمائیں گی کہ تمہارے گھر میں رہنے سے میں ڈسٹرب ہوتی ہوں لہٰذا تم گھر چھوڑ کے چلے جاؤ تو کیا میں چلا جاؤں گا۔ آپکو الٹی سیدھی بکواس کرنی ہو تو آپ جائیے باغ میں سڑک پر۔ سوائے فلمی کہانیوں

کے اور دوسری معقول بات ہی کیا ہوتی ہے ؟ عقل سے پیدل لڑکیوں کے پاس "
چاچی چاچا آیئے ! " ابی نے اس کا دامن پکڑ کر کھینچا "
ہم فلمی کہانیاں کہاں کہہ رہے تھے " مسحور نے اپنے سر سے الزام ٹالا۔ اور بڑی شرافت سے بولی " میں تو سارہ کو اپنے اشعار کا کلکشن دکھا رہی تھی۔ مجھے فلموں سے بڑی نفرت ہے ۔ کیا آپ کو فلم پسند آتے ہیں ؟ "
ہشام نے ابرار کو گودی میں اٹھا لیا اور بولا " بیٹے کچھ دیر ٹھہر کے کھیلیں گے۔ اچھا۔ پہلے ان کا کلکشن دیکھ لیں ! " چلئے صاحب مجھے بھی بتایئے کیا ہے آپ کے اشعاروں کا کلکشن۔ اشعار میری کمزوری بھی ہیں ! " وہ اندر آ کے اطمینان سے سوفہ پر بیٹھ گیا۔ ابرار کو نیچے قالین پر بٹھایا اور میز پر سے تازہ رسائل اٹھا کے اس کے پیروں پر ڈال دئے۔ بولا "
" تم تب تک ان کی تصویریں دیکھو۔ ہم ذرا علمی ادبی باتیں کر رہے ہیں۔ اچھا۔ میں ان لوگوں کو قائل کر دوں تو پھر تم سے کھیلوں گا "
اچھا " ابرار نے کہا۔ وہ رسالوں اور اخبار کا دشمن تھا۔ تصویریں دیکھتے دیکھتے انہیں چیر پھاڑ کے برابر کر دیتا "
سارہ نے جھٹ کر پرچے اٹھا لئے اور چیخ کر ہشام سے بولی " آپ نکل جایئے یہاں سے ۔ کسی کو آپ سے بات وات نہیں کرنی ہے۔ کوئی برابر کا پڑھا لکھا ہو تو اس سے علمی گفتگو کرتے اچھا بھی لگتا ہے۔ آپ کو کیا خاک پتھر آتا ہے ہم آپ سے باتیں کریں گے بھی کیوں ؟ خامخواہ ! "
علم وغیرہ کا تعلق ڈگریوں اور سندوں سے نہیں ہے " ہشام نے جواب دیا " مجھے بتاؤ بھلا ، افلاطون ، سقراط ، ارسطو ، کون سی یونیورسٹی کے سند یافتہ تھے ۔ پھر کیا تم ان عقلاء کو جاہل اور کم علم سمجھتی ہو۔ واہ بھئی۔

علم چونکہ کسی حد کا پابند نہیں ہے اس لئے علم کی اہمیت میرے دل سے نکل چکی ہے!"
"لیکن آج کل کے زمانے میں" مسحور نے سارہ کو لاجواب دیکھ کر خود جواب دینا ضروری سمجھا۔ بولی "آج کل تو ان لوگوں کی قدر ہے جو ——"

"جی ہاں۔ میں کیا اتنا نہیں سمجھتا کہ آج کل انجینئر، بیرسٹر، ڈاکٹر اور فلاں فلاں کی قدر ہے۔ یہ لوگ بس پیسہ کما کے آرام سے رہنے کی خاطر ہی پڑھ لکھ گئے نا۔ میں تو ایسے بزنس مین "حضراتوں" کو جانتا ہوں۔ جو اپنے دستخط بھی نہیں کر سکتے۔ جانتے ہی نہیں کہ نام کیسے لکھا جاتا ہے مگر لکھ پتی ہیں۔ تو اب بتایئے کہ پڑھ لکھ کر تیل بیچنے سے یہ اچھا ہے کہ نہیں کہ جاہل رہ کر لکھ پتی بن جائیں!۔ اور اب میں بھی یہی کرنے والا ہوں۔ یا پھر سب سے اچھی ترکیب یہ ہے کہ خوب مالدار لڑکی سے شادی کر لی جائے!" اور مزے میں اپنا گھر بھر لیا جائے۔ مطلب یہ کہ۔ وہ جو کہتے ہیں کہ رنگ چوکھا آئے۔ ارے ہاں۔ مجھ ایسے شریف، حسین اور مہذب نوجوان آج کل ملتے کہاں ہیں؟"

سارہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک گیا۔ جھلا کر بولی "اتنی لمبی تقریر آپ نے کی ہے۔ نری بکواس کوری۔ آپ کو صحیح بات کرنے کی بھی تمیز نہیں آپ نے کہا ہے کہ حضراتوں۔ اللہ توبہ۔ جہالت کی حد ہے۔ آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ حضرت کی جمع حضرات ہوتی ہے۔ کسی اور کے سامنے آپ نے اس طرح گل کترے تو وہ کیا سوچے گا؟"

انہوں نے اور بھی تو غلط سلط باتیں کیں" مسحور دبی زبان میں بولی "کلکشن کو کنکشن کہا تھا اور اشعاروں!" "گالیاں بھی دیں بیچ بیچ میں"

"ارے۔ آپ لوگ تو یوں میری باتوں کا پوسٹ مارٹم کر رہے ہیں کہ جیسے سب سے بڑی بقراط آپ ہی دونوں ہیں۔ واہ بھئی ——"

ہشام سخت حقارت سے ہنسا: "زبان میری، گفتگو میری۔ جو میرا جی چاہے بولوں۔ آپ لوگوں کی مرضی۔ سنئے! "اب میں ناپ تول کے بولنے سے تو رہا!"

مسحور کو اس وحشی جنگلی جاہل اور کھردرے آدمی سے بڑی شدید دلچسپی پیدا ہونے لگی تھی۔ جس قدر سامرہ کو الجھن ہو رہی تھی اور اسکا جی چاہ رہا تھا کہ وہ کمرے سے دفع ہو۔ مسحور کا دل چاہ رہا تھا کہ جتنی دیر بیٹھے اسی قدر اچھا ہے۔ وہ ہشام کی الل ٹپ بکواس مزید سننے کی خاطر بولی:

"آپ کہہ رہے تھے کہ اچھے اشعار آپ کی کمزوری ہیں۔ تو پھر سنائیے نا ہمیں بھی چند شعر۔ میرے مجموعہ میں اضافہ ہو جائے گا!"

"مسحور، تم بیکار وقت ضائع کر رہی ہو" سامرہ نے احتجاج کیا۔

"کبھی شعروں کی بات آجائے تو تم جانتی ہو کہ میں ضبط نہیں کر سکتی۔ کیا حرج ہے اگر چند شعر سُن ہی لیں!" مسحور نے کہا:

سامرہ کی بیزاری نظر انداز کر کے ہشام نے مسحور سے پوچھا: "فرمائیے۔ فلمی شعر سناؤں کہ غیر فلمی؟"

"فلمی بھی آپ نے ازبر کر رکھے ہیں" سامرہ نے بڑی حقارت سے کہا۔

"ہائے نہیں۔ فلموں کا نام بھی میرے سامنے مت لیجئے۔ میں فلموں سے الرجک ہوں" مسحور نے کہا: "عرصے تک کے لئے سر کا درد لے کے پڑ جاؤنگی"

"کیوں۔ کیوں۔ بعضے تو بہت پر اثر ہوتے ہیں" ہشام نے کہا: "مثلاً کسی فلمی شاعر کا یہ شعر ہے

تو سولہ برس کی

میں سترہ برس کا

"چھی چھی چھی۔ توبہ" مسحور نے ابکائی لے کر کہا: "دیکھئے۔ مجھے متلی ہو جائے

گی !" مجھ پر رحم کیجئے"

آپ نہیں سمجھیں گی۔ اس شعر کو ہمیشہ گنگناتے رہنے سے یہ طبی فائدہ ہوتا ہے کہ آدمی خود کو سترہ برس کا اور عورت خود کو مرتے دم تک سولہ برس کی سمجھتی ہے۔ ان پر بڑھاپے کا حملہ نہیں ہوتا اور وہ ساٹھ اور ستر برس کی عمر میں بھی جوان اور تندرست رہتے ہیں۔ میں نے ابا جان اور امی جان کو اکیلے میں یہ گیت گاتے سنا ہے !"

"دھت۔ جھوٹے۔ بکواسی !" سارہ بولی"

ادب سے۔ ادب سے" ہشام نے للکارا" یہ میرے والدین کی جوانی کا مسئلہ ہے"

توبہ۔ کدھر کی بکواس چھڑ گئی" مسحور بولی" ارے۔ آپ شعر سناتے ہیں تو سنائیے۔ ورنہ اپنا راستہ لیجئے !"

قلم کاغذ سنبھالئے۔ میں سناتا ہوں۔ آپ لکھتی جائیے !"

ہاں ہاں آپ سنائیے" مسحور نے بڑے اشتیاق سے کہا" میں زبانی یاد کر لوں گی !"

اچھا صاحب۔ سنئے !" ہشام نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔ اور بولا" آپ کو اقبال کے شعر اچھے لگتے ہیں کہ نہیں ؟"

یہ لیجئے بھلا اقبال صاحب کے شعر بھی کسی کو ناپسند ہو سکتے ہیں" مسحور نے کہا" سارہ بھنائی ہوئی خاموش بیٹھی تھی۔ اسے تو ان دونوں کی چیخ چیخ بھی قطعی ناگوار لگ رہی تھی۔ مگر مسحور مہمان تھی وہ کیا بولتی ؟"

تو پھر سنئے"

خوش ہو کر ہشام نے کہا۔

اے دل ناعاقبت اندیش ضبط شوق کر
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا۔

سامرہ کو غصہ پھوٹنے لگا! مسحور نے البتہ داد دی۔ اب وہ بھی اسے اُلّو بنانے پر اتر آئی تھی۔ وہ سنجیدگی جو اس کی فطرت تھی۔ اس نے اسے بھی طلاق دے دی اور واہ واہ کر کے بولی "

اچھا۔ اور۔ کوئی۔ !"

آپ کو پسند آیا؟" دیشہ خطمی ہو کر ہشام نے پوچھا "

کیوں نہیں!"

میری کاپی میں ایسے عمدہ عمدہ شعر ہزاروں ہیں" وہ بولا"

کاپی نہیں۔ اسے بیاض کہتے ہیں" مسحور نے اس پر ترس کھا کر تصحیح کی!"

کب تک ان سے سر مارو گی؟" سامرہ نے جل کر کہا "

ننھا بے چارہ قالین ہی پر سو گیا ہے۔ تم اسے باجی کو دے آؤ۔ میں تب تک ان سے دو چار شعر اور سن لوں" مسحور ہنس رہی تھی!"

ہاں ہاں ضرور۔ سنئے" ہشام نے ایک خاصے ترنم سے پڑھا" ؎

یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں

ایسی کی تیسی" سامرہ چیخی۔ اور بولی "اچھی بات ہے۔ تم کو اگر بکواس اچھی لگ رہی ہو تو سنو۔ میں تو چلی" اس نے جھک کر ننھے کو بانہوں میں سنبھالا اور باہر نکل ہی رہی تھی کہ دالان سے ایثار کی بھاری آواز آئی۔

"او۔ بدمعاش!"

ہشام چونک پڑا اور بولا "یہ معزز تخاطب غالباً میری ذات مبارک

سے ہے۔ اچھا محترمہ۔ باقی پھر۔ آپ کے ذوق کی تسکین کے لئے میں اپنی پوری بیاض آپ کو مرحمت فرما دوں گا۔ اب میں چلا!"

دالان میں ایثار کا اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ اسے گھور رہے تھے آداب عرض کرتا ہوں جناب بے حد خوش اخلاقی سے رکوع کے پیرائے میں جھک کر بولا "

"کیوں لفنگے، پاجی۔ یہ کیا حرکت ہے؟" ایثار خاصے برہم دکھائی دے رہے تھے "

"کک کیسی حرکت" وہ بدحواس ہو گیا اور رحم طلب نظروں سے باری باری اپنے باپ چچا اور ماں اور چچی کو دیکھنے لگا۔ مگر اس کے لئے رحم یا مروت کسی کی آنکھوں میں دکھائی نہ دی۔ احمقوں کی طرح پھر ایثار کی طرف منہ اٹھا دیا۔ ایثار نے اپنے خسر محترم کو دیکھا اور ان سے بولے "پوچھئے قبلہ"

"میں کیا پوچھوں" افتخار صاحب نے سخت بیزار ہو کر کہا "ناقابل برداشت حرکتیں ہیں۔ تم ہی پوچھو اور جواب طلب کرو!"

"کھال اُدھیڑ دو۔ اُلّو کے پٹھے کی!" ابصار صاحب یعنی ہشام کے ڈیڈی بولے "

ہشام نے جب دیکھا کہ یہاں اس کے قتل کے سامان ہیں تو بھاگ کر پھوپھی کے پیچھے بیٹھ گیا اور دانت یوں بجانے لگا جیسے جاڑا لگ رہا ہو۔!"

پھوپھی نے سمجھایا "بیٹے۔ تم کو ضرورت تھی تو پیسے مانگ لیتے۔ تم نے یہ کیا حرکت کی کہ اپنے استاد سے پوری فیس دھروالی۔ نہ ان سے پڑھا نہ لکھا۔ وہ ایثار کے دوست تھے ان سے شکایت کر رہے تھے کہ تم نے ان سے نہایت واہیات پتنگ بکواس کی تھی۔ عجیب لڑکے ہو تم۔ اتنا بھی نہیں

سمجھتے کہ اب یہ باتیں تم پر زیب نہیں دیتیں !"

ہنسی ضبط کرنے میں ہشام کا گلا دکھنے لگا! ۔ مگر مجبور تھا۔ اسے درجنوں آنکھیں گھور رہی تھیں ۔ اس کا جرم ناقابل معافی تھا۔ ایک بھی دانت دکھائی دے جاتا تو بقول بھابی کے اس کا قتل عام یقینی تھا۔ لہٰذا نہایت بے کسی سے اس نے گردن جھکالی اور بڑی فسائیت سے جرکن کا کونہ مروڑنے لگا!"

"میں نے تو بھر پایا صاحب" انصار صاحب نے کہا "آپ لوگ جانیں یہ مردود جانے۔ میں تو اپنی بچیوں کو اپنے ہونہار بیٹے سمجھتا ہوں" یہ کہہ کر وہ چلے گئے!"

"بڑے افسوس کی بات ہے۔ ہشام۔ تم نے ڈھائی سو روپے کیا کئے؟" منصور نے پوچھا"

اسی وقت سامرہ اور محمود بھی کمرے سے باہر آئیں۔ سوئے ہوئے بچے کو سامرہ نے باجی کی گود میں دے دیا اور دونوں وہیں بیٹھ گئیں۔ جیسے ہشام کی درگت سے محظوظ ہونا چاہتی ہوں۔ بس۔ ایک قیامت نے سر اٹھایا۔ ہشام نے اطمینان سے کہا"

"بھائی جان۔ قسم لے لیجئے جو ایک کانی کوڑی بھی میں نے اپنی ذات پر خرچ کی ہو۔ سامرہ کہنے لگیں کہ محمود بیگم آنے والی ہیں۔ وہ مفت کے پیسے مجھے دے دیجئے۔ اب میں ان کا دل کیا توڑتا۔ ایمان سے کہتا ہوں۔ پورے ڈھائی سو گن کے انہیں دے دئے کہ بے چاری بچیاں ایک ایک پیسے کو ترستی ہیں۔ اچھا ہے کچھ گھی دودھ کھا پی لیں۔ سینما دیکھ کر سبق حاصل کریں"

سامرہ بھونچکا تھی۔ مارے غصّے کے اس کی گویائی ہی سلب ہو گئی۔ البتہ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ چنانچہ ہشام کو صدقے صدقے جا کر زیشان نے کہا"

خیر۔ مگر۔ تم نے ان سے کچھ پڑھا کیوں نہیں؟"

سارہ کو روتے دیکھ کر منصور نے سمجھا کہ وہ شرمندہ ہے لہٰذا وہ بھی مصنوعی کھانسی کھانس کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے!"

ایثار کی طرف مڑ کر ہشام نے بڑی روانی سے کہا: "دولھا بھائی آپ نے بھی کس چیپٹر قناتی کو بھیج دیا تھا۔ ارے انھوں نے تو عجیب واہیات باتیں پوچھنی شروع کر دیں صاحبزادے آپ کے والد میں نے سُنا ہے کہ بڑے تیز مزاج ہیں آپ کی امی کو مارتے پیٹتے تو نہیں۔ آپ کے بہنوئی دو دو مہینے تک آپ کی بہن کو میکے میں کیوں چھوڑ دیتے ہیں۔ کیا آپ کے باپ کے پاس کھانا بہت ہے۔ اور آپ کی خالہ ——"

"لاحول ولاقوۃ۔ اس نے ایسی باتیں کیوں کیں؟" افتخار صاحب بولے۔

"تعجب ہے۔" ایثار نے بھی منھ بنالیا۔ "حالانکہ خاصے سمجھدار اور بھلے آدمی ہیں۔"

"کوئی میں اس کے باپ کے گھر کا کھانا کھا رہی تھی۔" باجی چنچنیں۔ "لو لو سنو۔ گھر کے داماد کو بہکانے کی باتیں ہیں کہ نہیں۔ وہ کون مُوا مونڈی کاٹا تھا۔ میں سُن لیتی اس کی باتیں تو پھر دیتی مزے کے جواب۔ جھاڑو پھرا منحوس!"

"وہی مردود مارتا پیٹتا ہوگا اپنی بیوی کو۔ لاحول ولاقوۃ۔ طالب علموں سے ایسی باتیں۔" افتخار صاحب نے کہا۔

"اس کی صورت کو لوکا لگے۔" چچی اماں بھی جھلائیں۔ "نگوڑا مردے نکلا سکھا رہا ہے کہ بیوی کو پیٹو۔ جاہل کہیں کا۔ نامراد!"

"اب صورت حرام کو اس گھر کی چوکھٹ اُلانگنے نہ دینا۔" پھوپھی کا پارہ بھی گرم ہوگیا!"

سب کے سب ماسٹر صاحب کی غائبانہ ٹکا بوٹی کرتے رہے۔ منصور اور

ایثار تو شرمندہ ہو رہے تھے۔ اس چپقلش کا فائدہ اٹھا کے ہشام چپکے سے باہر کھسک گیا۔!!!

موسم تبدیل ہونے لگا تھا۔ گرمی اپنی تیزی دکھا کے رخصت ہو رہی تھی۔ برسات اپنے ساتھ درختوں کے لئے چمکیلی خلعت اور کلیوں کے مکھ پر بکھیرنے کے لئے خوشنما مسکراہٹ لے کے آ رہی تھی۔ دن بھر ہلکے ہلکے بادل چھائے رہتے۔ لطیف خنک اور نم ہوائیں یہاں وہاں ارغنوں بجاتی پھرتیں، کبھی غیر محسوس سی پھوار پڑنے لگتی اور فضا بھیگی بھیگی نظر آتی!۔ اپنی پچھلی فہر سامانی پر نادم و پشیمان سورج نے نقاب ابر میں اپنا غصیلا چہرہ مدت تک کے لئے چھپا لیا تھا!؛

شعر و سخن کی متوالی، روحانی ماحول کی دلدادہ سحر ایسے ہوشربا موسم میں گھر پہ ٹک ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ اپنے گھر ہوتی تب بھی خادمہ کو ساتھ لیکر میوزیم کے پارک میں جا بیٹھتی! اور خوب اچھی طرح موسم کی دلکشی کا لطف اٹھاتی۔

پچھلی رات سے موسم یکبارگی تبدیل ہو گیا تھا۔ ہلکی پھوار مسلسل برس رہی تھی۔ آسمان پہ کالے رنگ کے بادل دیو کی مانند ہوا کے دوش پر سوار اڑتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ اس بھیگے ہوئے ماحول میں سحر بے تاب ہونے لگی!؛

کچھ دیر تک برآمدے میں کھڑی وہ باغ کے اونچے اونچے درختوں کو ہواؤں کے غیظ و غضب کے سامنے رکوع و سجود کرتے دیکھتی رہی۔ ابر آلود آسمان کے نیچے گہری دھند چھائی ہوئی تھی۔ ہلکی بارش کا تسلسل قائم تھا۔ فاختئی بادل نہ ختم ہونے والی قطار میں اڑتے دکھائی دے رہے تھے!۔ اکثر ہوا کی سرکشی انہیں منتشر کرتی اور ذرا سی دیر میں وہ پھر اکٹھا ہو کر کوئی خوفناک شکل اختیار کر لیتے

اپنے کمرے سے سامرہ نکلی۔ اس کے ہاتھ میں چائے کی دو پیالیاں تھیں۔

چاپ سُن کر مسحور نے رخ موڑا:

" کافی! " سامرہ مسکرائی:

پیالی لے کر مسحور منڈیر پہ ٹک گئی۔ سامرہ نے اسٹول گھسیٹ لیا۔ اور بولی۔

" اُدھر کیوں بیٹھ گئی ہو بھئی۔ پھوار پڑ رہی ہے۔ ویسے ہوا کا ایک تیز جھونکا ابھی تم کو نیچے پھینک دے گا!۔ ادھر آجاؤ۔ کرسی پر!"

" ارے میں تو سوچ رہی ہوں کہ خالہ بی سے اجازت لے کر باہر جاؤں۔ مسحور بولی " تم جانو کہ جب بارش نے تہلکہ مچا رکھا ہو۔ ہوائیں چیخ رہی ہوں اور بادل کی دھاڑ زمین کی بنیادیں ہلا رہی ہو۔ بجلی کی چمک سے نظریں خیرہ ہو رہی ہوں تو میں گھر میں گھس کے نہیں بیٹھ سکتی " میں نے ایسا ہوشربا موسم ہمیشہ کسی چمن میں گزارا ہے "

کچھ پاگل ہوئی ہو مسحور، امی ہرگز باہر نہ جانے دیں گی " سامرہ بولی "

وہ تو بجلی بادل کی وجہ سے ادھر کی کھڑکیاں تک بند کروا دیتی ہیں۔ بجلی سے امی کو بے حد ڈر لگتا ہے "

پوچھیں تو " مسحور نے کہا "

جاؤ پوچھ آؤ۔ میں تو جھڑکی کھا کے احمق بننا پسند نہیں کرتی!"

تم بتاؤ تم تو نہیں ڈرتیں نا!"

کچھ کچھ!"

تو پھر اجازت لے آؤں؟"

آیتہ الکرسی پڑھ کے جاؤ!"

کیوں!"

امّی اور چچی جان دونوں غصّے میں بھری بیٹھی ہیں صبح کو دولھا بھائی سے ملنے کے لئے ماسٹر صاحب آئے تھے۔ انہوں نے ہشام صاحب کی خوب شکایتیں کیں! پتہ نہیں اُن سے کیا کیا حماقتیں سرزد ہوئیں۔ ادے نمبر ایک کے جھوٹے کمینے ہیں ہشام بھائی۔ مجھ پر بھی الزام لگا دیا تھا کہ میں نے ان سے ڈھائی سو روپے لئے۔ میں کچھ ایسی فقیرن تو نہیں تھی۔ میں نے بھی چچا جان سے کہہ دیا تھا کہ وہ قطعی جھوٹ بول رہے ہیں۔ اللہ توبہ۔ مسحور، تم دیکھتیں تماشہ۔ ایک طرف سارا گھر تھا اور دوسری طرف اکیلے وہ جھوٹے بدمعاش صاحب۔ گھگھی بندھی تھی۔ قریب تھا کہ چچا اور دولھا بھائی چمڑی ادھیڑ دیتے۔ مگر پھوپھا ابّا نے بچا لیا۔ اپنی طرف لے کے چلے گئے!"

"تو اس میں خالہ بی اور چچی جان کے غصّے کی کیا بات ہے؟" مسحور نے کہا۔

"اے لو چچی جان ہی کے تو بیٹے ہیں" سامرہ نے جواب دیا "ویسے امّی اور ڈیڈی نے انہیں ہم سب کے ساتھ پالا پوسا ہے۔ سُنا ہے کہ ان کی پیدائش میں چچی جان خوب بیمار پڑی تھیں۔ لہٰذا امّی نے انہیں لے لیا۔ اور پھر وہ ہم ہی لوگوں کے ساتھ پلے بڑھے۔ ان کی ان ناقص حرکتوں کی وجہ سے امّی سمجھتی ہیں کہ انہی کی تربیت میں کوئی خامی رہ گئی ہے۔ بس غصّے ہو جاتی ہیں!۔ اس وقت تو سچ مچ جوتی اٹھا کے لپکی تھیں!"

"توبہ اتنی بڑی عمر میں انہیں خود سے چھوٹوں کے سامنے پٹتے بُرا نہیں لگتا؟" مسحور نے حیرت ظاہر کی!۔ سامرہ نے بُرا سا منھ بنایا اور زیادہ بُرائیاں کرنے لگی!" مسحور جی لگا کر سامرہ کے ملفوظات سُن رہی تھی۔ دفعتہً اسکی نگاہ بیچ ٹین کے پار ٹیشن کی طرف اُٹھ گئیں۔ اور وہ سچ مچ اچھل پڑی!" پارٹیشن پر دونوں بازو رکھے بڑے اطمینان سے ہشام اُدھر جھانک رہا اور اسکی

باتیں سُن رہا تھا!"

مسحور کا چہرہ گلابی ہو گیا!۔ البتہ سامرہ بھبھک اٹھی"

"لڑکیوں کو جھانکتے شرم نہیں لگتی!" سامرہ نے کاٹ کھایا"

"میں تو سُن رہا تھا کہ میری تعریفیں کر کر کے آخر تم کتنا ثواب کماؤ گی" مگر تم نے اپنے ثواب میں ان محترمہ کو بھی ساجھے دار بنا لیا ہے۔ یہ البتہ بُرا کیا!"

"صبح ہی کو ڈنڈے پڑتے پڑتے رہ گئے" سامرہ بولی" مگر غیرت تو نام کو بھی نہیں۔ پھر ویسے ہی چکنے گھڑے بن کر اپنی حرکتوں پر اُتر آئے!"

جانے کیا بات تھی۔ جتنی سامرہ کو ہشام سے چڑھ اور جلن لگتی۔ اتنا ہی مسحور اس کی ذات سے دلچسپی لیتی!" اب بھی وہ مسکرا رہی تھی۔ پھر بولی"

"آپ نے جھانکنے کی حرکت البتہ بُری کی۔ شرافت سے آکے بیٹھ جاتے!"

ہشام نے ہاف ڈور کھول کر قدم بڑھایا اور نہایت تمیز سے پوچھا" اب آکے بیٹھ جاؤں شرافت سے؟"

کوئی ضرورت نہیں!" سامرہ بولی"

ارے ہاں" ہشام یکبارگی چونکا اور جیسے کچھ یاد کر کے جلدی سے کہا"

بیٹھئے۔ میں تو بھول ہی جاتا۔ ان بگو اسی محترمہ کی کم بختیوں میں ناممکن ہے کہ کوئی بات ڈھنگ سے یاد رہ جائے۔ مجھے ـــــ!"

آپ کی خود کم بختیاں" سامرہ نے کہا"

سنئے تو وہ ہشام صاحب کیا کہہ رہے ہیں" مسحور نے دخل دیا"

جیتی رہیئے!" ہشام نے خوش ہو کر مسحور کو دعائیں دیتے ہوئے کہا" یہ آثار ہیں پھلنے پھولنے کے۔ اللہ آپ کو صاحب نصیب کرے۔ اچھا گھر ملے۔ دولھا گورا چِٹا پڑھا لکھا ـــــ!"

مسعود نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید دعائیں دینے سے روک دیا "شکریہ۔ اتنی ہی کافی ہیں۔ آپ اپنی بات مکمل کیجئے!"

ہاں وہ "ہشام نے کہا" چچی اماں مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ موسم بے حد سہانا اور دلکش ہو گیا ہے۔ لڑکیوں کو نیشنل پارک کی سیر کرا لاؤ۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے مجھے پچیس روپے بھی دئے تھے۔ مگر میں تو فی الحال معذرت چاہتا ہوں۔ میں آپ لوگوں کا باڈی گارڈ بن کر نہیں جا سکتا۔ آپ لوگ یہ روپے لیجئے اور جائیے!" اس نے جیب سے پچیس روپے نکالے اور کسی کے ہاتھ میں دینے کے بجائے کرسی پر ڈال دئے۔

ایکدم جھوٹ ہے" سارہ بولی "امی غصے میں بھری بیٹھی ہیں۔ وہ بھلا روپے دیں گی۔ اور ان حضرت کو دیں گی؟ ابھی ابھی تو مارنے دوڑی تھیں!"

امی کا غصہ کیا؟" ہشام نے کہا "ابھی ہے ابھی نہیں۔ بھلا مائیں بھی کہیں غصہ کرتی ہیں!" پھر وہ تاکیداً بولا "ارے تم کو جانا ہو تو جاؤ۔ ورنہ میں یہ روپے چچی اماں کو واپس کئے آتا ہوں۔ خواہ مخواہ یہ عورتیں ہم سنجیدہ اور معزز مردوں کو ایسے واہیات کاموں میں الجھا دیتی ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ ان سے یہ کہو۔ فلاں تک یہ بات پہونچاؤ!"

سارہ بڑبڑانے لگی۔ مگر مسعود کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا اور جلدی سے بولی:

"سچی سارہ۔ بس اب نکل چلو۔ پھوار بھی بند ہو چکی ہے۔ مگر آسمان ڈرا رہا ہے کہ خوب برسے گا!" ایسا نہ ہو کہ کہیں یہیں پانی آ لے۔ ہشام صاحب کیا آپ سچ مچ ہمارے ساتھ نہیں چلیں گے؟"

قطعی نہیں!" ہشام نے کھردرے لہجے میں کہا "میں دوست کے ساتھ فلم دیکھنے

جا رہا ہوں۔ لیکن آپ سے استدعا ہے کہ اگر چچی اماں آپ سے پوچھیں تو براہ کرم یہی کہیے گا کہ جی ہاں ہشام صاحب ہمارے ساتھ تھے۔!!

اچھا اچھا!" مسعود چہکی۔ اور سامرہ کو جھنجوڑ کر بولی "بس اب چلو اٹھو۔ خواہ مخواہ تم ڈری جا رہی تھیں۔ اب دیکھو۔ خالہ بی نے خود ہی ہمارے دل کی آواز سن لی۔ اٹھو بس۔ سہ پہر تک آجائیں گے۔ نیشنل پارک دور ہی کتنا ہے۔ بہت سے بہت آتے جاتے رکشا کا کرایہ پانچ روپے ہوگا۔ بیس روپے چائے پانی کے۔ بہت ہیں اور کیا۔ اللہ میری خالہ بی کتنی اچھی ہیں!"

اچھا میں چلا۔ اسلام علیکم!" ہشام نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھک کر بڑے ادب سے دونوں کو سلام کیا اور الٹے قدموں چلتا پارٹیشن کے پیچھے غائب ہو گیا!"

اس کی اس حرکت نے دونوں کا موڈ خراب کر دیا۔ آخر وہ خود کو ننھا سا بچہ اور انہیں بزرگ کیوں سمجھتا تھا؟"

مسعود نے روپے اٹھا کر اپنے ننھے سے رومال میں باندھ لئے۔ سامرہ پہلے تو ہچکچائی پھر آمادہ ہو گئی۔ اور دونوں باغ کی راہ اتر گئیں!"

نیشنل پارک بڑی دور نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے ساتھ بڑا تھرماس لے لیا تھا وہ راستے میں کافی سے بھروایا۔ نمکین کاجو اور تلے ہوئے بادام خریدے اور اطمینان سے باغ میں جا بیٹھیں!" سامرہ کے ساتھ ابن صفی کا ایک خاص نمبر "عمران کا اغوا" تھا۔ وہ ایک گھنیرے درخت کے نیچے بیٹھی اپنا پسندیدہ ناول پڑھتی اور ہنستی رہی!"

مسعود کا حال جدا تھا۔ وہ تو ماحول کی رومان انگیزی میں کھو کر جیسے ماحول ہی کا حصہ بن گئی تھی۔ درختوں کے نیچے سرمئی اندھیرا چھا رہا تھا۔

جیسے آسمان کا کوئی ٹکڑا وہاں جھک آیا ہو۔ دوپہر کی مرطوب ہوا میں سبزے کی مہک رچی بسی تھی۔ بڑا کیف زا ماحول تھا۔ مسحور سچ مچ مسحور سی بیٹھی دور دور نگاہیں دوڑا رہی تھی اور طائر خیال بھی جانے کہاں کہاں محو پرواز تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی وہ اُداسی اور قنوطیت جو اس کی شخصیت کا جز بن چکی تھی اب کہیں تحلیل ہو گئی تھی۔ وہ خود کو ہلکی پھلکی محسوس کر رہی تھی۔ خیالوں کی دنیا میں کوئی سا عجیب انقلاب آ گیا تھا۔ جب وہ اپنے گھر میں تھی۔ یوں سوچ رہی تھی کہ اسے خالہ کے گھر جانا اور جانے کب تک رہنا ہے۔ اپنے ماں باپ کو ایک طویل عرصہ تک خود سے جدا محسوس کرنا بڑا کرب انگیز تھا۔ وہ انہیں رخصت کرتے اور یہاں آتے وقت خاصی دیر تک روتی رہی تھی!" اور دل پر بڑا جبر کر کے یہاں آئی تھی!" لیکن۔ اب۔ وہ گم صم سی سوچے جا رہی تھی۔ یہ گھر اور اس گھر کے مکین اسے اتنے اچھے کیوں لگ رہے تھے؟"

سوچتے سوچتے وہ چونک سی پڑی۔ جیسے سوچ کے صاف اور سیدھے دھاگے میں کہیں گرہ اٹک گئی ہو۔!"

گھر کے سب مکین اچھے لگتے تھے کہ صرف ایک فرد۔؟ اس نے گھبرا کر سامرہ کو دیکھا۔ وہ بدستور کتاب میں غرق تھی۔ مسحور نے اطمینان سے ڈوڈو نیا کی باڑھ سے پیٹھ ٹیک دی۔ ایک غیر مانوس سی ٹھنڈک اور سنسنی اس کے جسم میں سرایت کرنے لگی!۔ اس نے پلکیں بند کر لیں۔ پھر تو جیسے بند آنکھوں کے سامنے ایک صاف شفاف اسکرین تن گیا۔ اس پر ایک چہرہ جگمگانے لگا۔ شرارت سے چمکتی آنکھوں اور متبسم لبوں والا چہرہ۔!

عجیب سی بات تھی۔ سارا گھر لٹھ لئے اس کے پیچھے پڑا رہتا تھا۔ اس کی عادتیں کسی کے لئے پسندیدہ نہ تھیں۔ مگر اسے تو اس کی ایک ایک ادا پیاری لگتی تھی۔

شرارت سے ننھا، چھوٹوں کو چھیڑتا ستاتا، بڑوں تک کو چٹکیوں میں اُڑاتا تھا۔ سب کے لئے اس کی جہالت اور ناشائستگی عیب اور خامی تھی۔ لیکن مسحور سمجھتی تھی کہ وہی اس کی شخصیت کا حسن تھا!۔ بے خبری، لاعلمی اور جہالت کی معصومیت۔ جو کچھ جانتا بوجھتا نہیں تھا۔ جسے کسی بھی زبان کے ادب کا پتہ نہ تھا۔ جو اپنی بے خبری کے خول میں محصور عجیب سی قلندرانہ زندگی گزار رہا تھا اور یہ سب کچھ مسحور کے لئے بڑا پُرکشش تھا۔ اس کی نظروں سے ابھی تک بزعم خود بڑے بڑے ڈگری ہولڈر گزرے تھے۔ اس کے چچا زاد اور دوسرے رشتے دار بھائی جو اس کے باپ سے ملنے آتے تھے۔ بہت پڑھے لکھے تھے۔ بڑی انکساری اور خاکساری سے تذکرہ کرتے تھے کہ کسی نے پچاس ہزار ڈونیشن دے کر میڈیسن لائن اختیار کی تھی۔ کوئی کہتا تھا کہ تیس ہزار دے کر انجنیئر لائن جوائن کی ہے۔ وہ لوگ بڑی ادق زبان میں اپنی علمیت کی دھاک جماتے تھے!۔ اور کسی حد تک مسحور بھی ان سے مرعوب و متاثر ہو جاتی تھی!۔ سمجھتی تھی کہ قوم کی اگلی خوشحالی انہی کے ہاتھوں میں ہے۔ وہ قوم کے معمار ہیں۔ ڈاکٹر صاحب جن کا دعویٰ ہے کہ وہ غریبوں کے مفت علاج کے لئے ڈاکٹری پڑھ رہے ہیں۔ مسحور کے دل میں انکی عقیدت و محبت کے قطب مینار ایستادہ ہو جاتے۔ کتنے ایثار پسند اور درد مند دل کے مالک ہیں بے چارے۔ غریبوں کے لئے انہوں نے اتنا کثیر سرمایہ خرچ کیا ہے۔ اب دنیا بھر کے غریب ان کے در کے سامنے قطار باندھے کھڑے رہا کریں گے!!

اور یہ انجنیئر صاحب۔ وہ بیرسٹر صاحب، فلاں فلاں۔ جو قوم و ملک کی ترقی و بہبودی کے بہانے اپنے اپنے مستقبل کی تعمیر میں کوشاں تھے! اونچی اونچی سندیں حاصل کرنے والے بے چارے مرے جا رہے تھے۔

اپنے مفلس قلاش بھائیوں کا دکھ درد ان سے برداشت نہیں ہو رہا تھا!"
لیکن وہ۔ آپ اپنا جواب تھا۔ ایک تعلیم یافتہ مہذب گھرانے کا فرد۔ جس کی دنیا ہی الگ تھی۔ اور وہ مسحور کو بے حد اچھا لگتا تھا"
انہیں پارک میں آئے ہوئے کافی دیر گزر چکی تھی"
سائرہ نے کتاب بند کر کے الگ رکھ دی اور مسحور کو آواز دی"کہاں گم ہو کافی نہیں پیو گی!۔ اب تمہارا پسندیدہ موسم بھی کھل گیا ہے۔ لوگ یہاں آنے والے ہیں۔ تین بجے عام داخلے کے لئے کھل جاتا ہے۔ کیا خیال ہے۔ گھر چلو گی کہ ابھی پوری طرح انجوائے نہیں کیا؟"
"کر لیا بھائی!" مسحور ہنسنے لگی"گھر نہیں چلیں گے تو کیا یہیں گھر بنانا ہے!۔
دونوں مزے مزے سے کافی پینے لگیں!"
ان کے گھر سے جانے کے بعد ہشام نے ان کی روانگی کی اطلاع خواتین کو پہونچائی۔ بڑی گھنی صورت بنا کے ماں اور چچی کے پاس گیا اور منہ لٹکا کے کھڑا ہو گیا۔ چچی جان نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا"
"کیوں آئے ہو۔ جھوٹے۔ بے ایمان کہیں کے۔ کہا تھا میں نے کہ رات تک تمہاری شکل مجھے دکھائی نہ دے!"
اس نے بڑی ڈھٹائی سے کہا"جی ہاں۔ چور، بے ایمان دغاباز فقط ایک میں ہی ہوں۔ آپ اپنی لاڈلی صاحبزادیوں کو کچھ نہیں کہتیں۔ بھلا غضب خدا کا ہے کہ موسم ایسا جل تھل ہو رہا ہے۔ مرد تک چیل کوؤں کی طرح اپنے اپنے گھروں میں دبکے بیٹھے ہیں۔ میرا خود بھی بجلی پانی سے جی ہول رہا ہے۔ مگر وہ دیدہ دلیر لڑکیاں گھر سے باہر تفریح فرمانے چلی گئی ہیں!"
"کون؟۔ سینا اور صدف؟" باجی نے پوچھا"ان سے ہزار بار کہا کہ ایسے

موسم میں باغ میں نہ جایا کریں !"

"باجی جان۔ ہم تو یہاں بیٹھے کامک پڑھ رہے ہیں" صدف نے ایک گوشے سے آواز دی"

"ان بے چاری بچیوں کے کان نہ مروڑا کیجئے باجی" ہشام نے کہا" ان صاحبزادیوں کی بھی خبر لیا کیجئے جو آپ کے نزدیک ایک دم فرشتہ "حور" پری ہیں۔ جو آپ ہی کے حکم پر سانس لیتی ہیں !"

"ارے تو بکو بھی تو کچھ !" چچی جان چیخیں"

"مسحور اور سارہ پارک گئی ہیں" ڈانٹ کھانے کے بعد منہ پھلا کر ہشام نے کہا" ہزار میں نے منع کیا کہ ہمارے گھر کی بچیاں اس قسم کے سیر سپاٹے نہیں کرتیں۔ مگر توبہ کیجئے۔ آپ ہی لوگوں کو وہ خاطر میں نہ لائیں تو میں بھلا کیا چیز ہوں !"
میں نے ان کی ضد سے مجبور ہو کر کہا تھا کہ اچھا چلو میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔ کسی نہ کسی جہاندیدہ مرد کا ساتھ ضروری ہے۔ مگر وہ بھی منظور نہیں کیا۔ بولیں کہ تم باڈی گارڈ بن کر ساتھ رہو گے تو تفریح میں خاک لطف آئے گا !۔ میں کیا کرتا۔ چپ ہو رہا !"

"ارے نکمے کاہل الوجود" باجی گرجیں" اب کیا سنا رہا ہے۔ تبھی آ کے کیوں نہ کہا۔ مسحور کی ذمہ داری امی پر ہے۔ خالہ جان سنیں گی تو کیا کہیں گی کہ ان کی بچی کو اچھے بُرے سے روکنے والا بھی کوئی نہیں !"

"یہ مسحور اور سارہ اتنی بے لحاظ اور نڈر کیسے ہو گئیں" امی نے سر پر ہاتھ مار کر دانت پیس کر کہا" اور اس سرپھری چھوکری کو کیا کہوں۔ نہ میرا پاس لحاظ ہے نہ بادا کا ڈر خوف ہے۔ جو چاہتی ہے کرتی ہے۔ ارے تو کوئی جا کے لائے کم بختوں کو ۔ ! میری جان کو تو عجیب عذاب بیٹھا ہے۔ بادا سے

کہتی ہوں۔ بس بہت پڑھ لکھ چکیں اب اچھا رشتہ ڈھونڈ کے ہاتھ پیلے کر دو تو جواب دیتے ہیں۔ تمہارا زمانہ نہیں ہے کہ بس تیرہ چودہ سال کی لڑکی کے ہاتھ پیلے کر کے کسی قصائی کے حوالے کر دیا جائے۔ زمانہ بہت خراب ہے۔ پہلے انہیں اتنی تعلیم حاصل کرنے دو کہ کچھ اونچ نیچ ہو جائے تو کم از کم اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکیں۔

خدا غارت کرے۔ کیا زمانہ آن لگا ہے۔ لڑکیاں اپنے پیروں پر کھڑی ہونے لگیں۔ اے میں کہتی ہوں غارت ہٹی ناس گئی لڑکیوں کے لئے کون سی جگہ محفوظ ہے۔ عزت و آبرو تو ہر جگہ خطرے میں ہے۔ بلا سے شوہر ظالم ہو تو ہو۔ عزت سے تو اپنے گھر میں جریں گی۔ مگر بابا جان ہی کی سمجھ پر پتھر پڑے ہیں تو کوئی کہاں تک اپنا سر پھوڑے؟"

"امی، رمضانی کو بھجوائیے۔ جا کے بلا لائے۔" باجی نے بھی ناگوار لہجے میں کہا۔ "ابر پھر آ رہا ہے۔ بارش ہونے لگے گی۔ کیسے پہنچیں گی گھر تک۔ سچ مچ بہت ڈھیٹ اور بے جگر ہو گئی ہیں۔ اچھا آنے تو دو۔ دیکھنا کیسی خبر لیتی ہوں۔"

"کس سے کم پوچھتیں تو!" چچی جان نے کہا۔

"آپ سے کیا پوچھتیں۔" ہشام نے ٹکڑا لگایا۔ "میں ہی نگوڑا اُن سے بڑا لاکھ لاکھ کہہ رہا ہوں کہ نامرادو یہ موسم باہر نکلنے کا نہیں۔ مگر وہ موںڈی کاٹیاں سنیں تو۔"

"اچھا تم چپ رہو!" باجی نے گھڑکی دی۔ پھر نیلی پیلی آنکھیں نکالیں۔ "میں کہتی ہوں لڑکے۔ یہ تو نے عورتوں کی طرح نگوڑے سگوڑے کہنا کہاں سے سیکھ لیا ہے۔ باہر اپنے دوستوں میں کہیں منہ سے نکل گیا تو کتنی شرمندگی ہو گی۔"

"کئی بار نکلا تھا منہ سے۔" ہشام بولا۔ "سب نے بہت تعریف کی کہ بہت

اچھا لگتا ہے تمہارے منھ سے۔ تو میں نے ــــــ"

پھوپھی اماں اپنی طرف سے آئیں!۔ اور تخت پر بیٹھ کر پاندان اپنی طرف سرکاتی ہوئی باجی سے بولیں "کیوں۔ بیوی۔ سب خیر صلا تو ہے نا تمہارا منھ اترا ہوا لگ رہا ہے۔ آنکھوں کے نیچے بھی سرمئی حلقے پڑ گئے ہیں۔ کہیں پانی بوند کے دنوں میں ہائے ہُش مت مچا دینا!"

"اللہ پھوپھی اماں" باجی نے کچھ شرماکر جواب دیا "رات سے جی گھبراگرا تا ہے۔ مگر یہ میرے بس کی بات کہاں ہے؟ جو خدا کی مرضی!"

"اے ہاں۔ اللہ ساتھ خیریت کے تمہیں فارغ کرے!" پھوپھی نے کہا۔ پھر ادھر اُدھر دیکھ کر بولیں "یہ لڑکیاں کہاں ہیں۔ ہر وقت کمرے میں گھسی سر سے سر جوڑے کیا باتیں کیا کرتی ہیں۔ اے بی بی ماہرہ۔ آواز دو انہیں!"

آواز کیا دوں پھوپھی" باجی نے چیں بر جبیں ہو کر کہا "آپ نے ان کی حرکت دیکھی۔ اس اُتاؤلے موسم میں چلی گئی ہیں تفریح فرمانے!" یہاں بجلی کے کڑاکے سے دل ہل جاتا ہے۔ وہ اس کا تماشہ دیکھیں گی!"

شتر بے مہار کر دیا ہے انہیں" پھوپھی نے کہا "ارے تو بھجو رمضانی کو۔ بلا لائے۔ گئی کہاں ہیں!"

کیا معلوم؟" چچی اماں نے بڑا سا منھ بنا کر کہا "کیوں ہشام؟"

مجھ سے بھلا کیا کہتیں؟" ہشام نے بڑا سا منھ بنا کر کہا "کوئی میرا ادب قاعدہ کرتی ہیں۔ آپ لوگوں نے دُلار کر کر کے ناس ماریوں کو اتنا سر چڑھا لیا ہے کہ وہ مرد بچوں کی بھی اہمیت نہیں سمجھتیں!"

ہاں بس تجھے دلار کر کے کھوپڑی پر نہیں چڑھایا" پھوپھی بولیں "اچھا

اب چھتری لے اور جا کے دیکھ۔ وہ ہیں کہاں۔ بلا کے لا۔ غضب ہے۔ ابھی رودا نس آتے ہوں گے۔ تین تو بج ہی گئے۔ ہمیں کو برا بھلا کہیں گے۔ ہم نے انہیں اتنی آزادی دے دکھا ہے۔ توبہ۔ آج کل کی لڑکیاں بس۔ اپنی ہوں کہ پرائی۔ جو بات ہے کہی جائے گی کہ آسمان میں مردا دیں میخ ٹھونکنے لگی ہیں "

اچھا میں جا رہا ہوں۔ چوٹیاں پکڑ کے گھسیٹتا ہوا لاؤں گا!" ہشام بولا "خدا کے لئے کم بخت اپنی زبان سیدھی رکھ" چچی جان نے شکست خوردہ لہجے میں کہا "ابھی پرسوں ہی مولائی بھائی کی بیوی کہہ رہی تھیں کہ ترکاری والی سے بالکل عورتوں کی طرح لڑ رہا تھا۔ کیا سارے میں بدنام کرے گا بھیا" "تو پھر اتنی بڑی بڑی موٹی موٹی لڑکیاں ہیں۔ انہیں گودی میں تو اٹھا نہیں سکتا!" ہشام نے کہا "

بک بک بند کرو۔ چھتری لو اور جلدی سے جاؤ" باجی نے جھگڑا چکایا۔

"واٹر پروف بھی لے لوں۔ شاید پانی آئے" بھولپن سے ہشام نے پوچھا۔

"تمہاری جہالت کو جھلسا لگے کمینے" باجی نے کہا "اُسے پروف کہتے ہیں۔ سنا واٹر پروف!۔ اب یہ کندۂ ناتراش کی طرح بکواس نہ کرنا!"

بھابی میری بولی کا سنسر کرنے کو کیا کم تھیں کہ اب آپ بھی" وہ منہ منہ میں بڑبڑاتا ہوا چلا گیا "

سچ کہتی ہوں" اس کے جانے کے بعد چچی نے چہرے پر زلزلے کے آثار پیدا کر کے کہا "بھی کبھی تو مارے ہول کے پسینے چھوٹ جاتے ہیں۔ راتوں کو نیند نہیں آتی۔ سوچتی ہوں کہ اس بے چارے بے دماغ گنوار کے بچے کا آخر ہو گا کیا۔ ہم سدا اس کے منہ میں نوالے دینے کو زندہ تھوڑی بیٹھے

دیں گے ۔ کل کو لڑکیاں اپنے گھر در سے لگ جائیں گی ۔ یوں بھی ان کا شمار قطار کیا؟" آخر یہ کیا کر کے جئے گا؟ آج کل زندگی کی گاڑی پیسے ہی کے پٹرول سے چلتی ہے ۔ اس کے پاس کوئی گن نہیں ۔ کوئی ہنر نہیں ۔ کیا زہر دے کے سلا دوں؟"

اُوئی خدیجہ ۔ تمہاری بھی باتیں" چچی اماں نے ہنس کر کہا " ایسا کون سا قہر ٹوٹا ہے ۔ اللہ نہ کرے ۔ پچاسوں پڑھے لکھے ہیں ایک بے پڑھا بھی سہی ۔ میں تو کہوں کہ وہ جو صفت نگر میں انصار میاں نے نیا مکان لیا ہے ۔ وہ ہشام کے نام کر دو ۔ کرایہ آتا رہے گا ۔ گزر ہی جائے گی کسی نہ کسی طرح"

ہشام چھتری ہاتھ میں لٹکائے واٹر پروف پہنے ایک درخت کے پیچھے بھالو بنا کھڑا تھا" اور بے حد دلچسپی سے دیکھ رہا تھا کہ مسحور اور سارہ کتنی شدت سے انجوائے کر رہی تھیں ۔ اس کے دیکھتے دیکھتے وہ کئی بار چھوٹی سی پہاڑی پر چڑھیں اتریں" پھر ننھی بچیوں کی طرح ایک رنگیں تتلی کے پیچھے دوڑا کیں ۔ ہنستے ہنستے ان کے چہرے سرخ ہو رہے تھے ۔ پہاڑی کی یہ سیر ان کے لئے یادگار تھی ۔ آفتاب لمحہ بہ لمحہ بادلوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا تھا ۔ آسمان کی رنگت لاجوردی ہونے لگی تھی ۔ ان کا سُرخ عکس ننھی ننھی نالیوں میں بہتے پانی پر اسطرح پڑ رہا تھا جیسے اُن میں پانی کے بجائے سُرخ روشنائی بہہ رہی ہو ۔ کناروں پر بنی ہوئی جھونپڑیوں سے دھوئیں کی لکیریں اٹھ رہی تھیں ابر آلود سہ پہر کا یہ منظر کتنا خوشگوار اور فرحت انگیز تھا ۔ خود ہشام کی پلکیں مُندنے لگیں؟ پھر وہ سنبھل کر کھنکھارا"

لڑکیاں چونک کر ادھر متوجہ ہو گئیں ۔ ہشام کو دیکھ کر سارہ کا منہ بگڑ گیا ۔ مگر مسحور چہک اٹھی"

" آئیے آئیے ہشام صاحب ۔ ہماری خوشامد پر بھی آپ نہیں آئے تھے ۔ مگر

آپ سے بھی گھر پہ ٹھہرا نہ گیا آخر "

ابھی میں لطف اٹھانے نہیں آیا " اپنی عادت کے مطابق اس نے خاص گنواروں کے سے لہجے میں لٹھ سا مار دیا " میں اتنا اُلّو نہیں ہوں کہ خواہ مخواہ پانی میں بھیگتا پھروں۔ میں تو آپ دونوں کو ایک خاص خوشخبری سنانے آیا ہوں۔ ورنہ مجھے بھلا کیا پڑی تھی۔ "

"کون سی خوش خبری ؟ " دونوں نے ایک ساتھ کہا "

باجی کے ہاں کچھ دیر پہلے چاند سی بیٹی ہوئی ہے ! " ہشام نے خوشخبری سنائی مگر بڑی کراہیت سے سنائی۔ پھر بولا " پہلے ہی گھر میں چار چار بدشکل بدصورت لڑکیوں کا اچار پڑ رہا ہے۔ اب یہ پانچویں کلوٹی۔ مگر ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ دولھا بھائی بھگتیں گے !۔ بیٹی کی دعائیں مانگتے تھے "

اللہ سچ ! " سارہ اچھل پڑی "

ہائے۔ باجی کے ہاں بچی ہوئی ہے۔ باجی کی سی گوری گوری ہوگی " مسحور بھی خوشی کے مارے بدحال ہو کر بولی۔ پھر جلدی جلدی تھرماس اور گلاس سمیٹ کر ٹوکری میں رکھنے لگی۔ سارہ نے اپنی کتاب پرس میں ٹھونسی اور بولی " چلئے۔ ذرا سڑک کے کنارے سے ایک رکشا کرایہ کا کر لیجئے۔

اپنے باپ کا نوکر سمجھا ہے۔ کیا ؟ " ہشام بگڑ گیا " رکشا کر لیجئے۔ ہنھ۔ جیسے آئی تھیں ویسے جاؤ۔ میں نے تو از راہ کرم خبر سنا دی ہے میں تو دراصل باجی کے لئے گھٹی لینے جا رہا ہوں " یہ کہہ کر وہ ایک طرف چل دیا۔ مسحور اور سارہ نے بڑے بڑے منھ بنائے۔ سارہ نے بڑی فراخدلی سے اسے گالیاں دیں۔ ! پھر وہ رکشے پر گھر آئیں اور جب وہ دالان میں آئیں تو متعدد نظریں ان کی طرف قہر آلود انداز میں اٹھ گئیں دونوں کو ایک شاک سا لگا ! "

کیونکہ وہ راستے بھر باجی کی بچی کے اچھے اچھے نام سوچتی رہی تھیں۔ اور یہاں باجی دالان میں سب کے ساتھ بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔"

ایک طرف ابصار صاحب بھی بیٹھے تھے۔ دوسری طرف پھوپھا ابّا براجمان تھے!" ایک ساتھ سب ہی ان دونوں کو گھورنے لگے تھے! ۔ ابصار صاحب کچھ غصّہ ور مشہور تھے۔ لہٰذا سب سے پہلے انہوں نے جھرجھری دوڑا دینے والے سرد لہجے میں پوچھا۔

"کہاں گئی تھیں۔ کہاں سے آ رہی ہو؟"

جی۔؟" مسحور نے ہکا بکا ہو کر کہا"

جی کیا" ابصار صاحب اب گرجے" تم لوگ اس قدر ترقی پسند ہو گئی ہو کہ من مانی کرنے لگی ہو۔ کس سے پوچھ کر تم نے گھر سے باہر قدم نکالا تھا۔ موسم کی حالت دیکھ رہی ہو۔ یہ موسم سیر سپاٹوں کا ہے؟ تفریح کے لئے تمہارا اپنا باغ کچھ کم ہے کیا۔ یاد رکھو۔ اس مرتبہ معاف کرتا ہوں۔ آئندہ پھر کبھی تم لوگوں کو آوارہ لڑکیوں کی طرح سڑکوں پر گھومتے پھرتے دیکھوں گا تو سخت سے سخت سزا دونگا!"

اے بی بی ڈر نہ لگا۔ اکیلی چل کھڑی ہوئی" چچی اماں نے کہا" ایسا ہی گھومنے کو جی کلبلایا تھا تو کسی کو ساتھ لے لیتیں۔ اشہد تو گھر ہی میں تھا۔ وہ چلا جاتا تمہارے ساتھ۔ مگر یہ تو سوچو کہ شریف گھر کی پردہ دار بچیوں کا اس طرح گھومنا پھرنا کتنی معیوب بات ہے۔ کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا کہ یہ سیّد گھرانے کی لڑکیاں ہیں۔ توبہ توبہ۔ خیر۔ جو ہوا وہ ہوا۔ پھر کبھی ایسا نہ کرنا!"

مسحور تو سسکیاں لینے لگی۔ مگر سارہ نے کہا" امی آپ ہی نے پچیس روپے ہمیں بھیجے تھے اور کہلوایا تھا کہ موسم سہانا ہے۔ چاہو تو گھوم پھر آؤ۔ تبھی تو ہم گئے۔ ورنہ کیا آج تک کبھی ایسا ہوا ہے کہ پوچھے بغیر ہم نے گھر سے قدم بھی باہر نکالا ہو! ۔ پوچھ لیجئے مسحور سے۔ کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں"

کیا قصہ ہے بڑی آپا۔!" ابصار صاحب نے اپنی بھاوج سے پوچھا۔
چچی اماں نے ہکا بکا ہو کر آنکھیں پھیلائیں "اے بھیا۔ خدا خدا کرو۔ میں کیوں ایسی حماقت کرنے لگی۔ مجھے تو کچھ پتہ ہی نہیں تھا۔ یہ تو مجھ سے ہشام نے آکر کہا کہ مسحور اور سامرہ اس کے منع کرتے کرتے گھومنے نکل گئی ہیں۔ سن کے سر پیٹ لیا میں نے!"

امی۔ ہشام بھائی ہی نے تو آپ کی طرف سے روپے دیئے تھے" سامرہ بولی۔ اب مارے غصے کے اسکا فون کھول رہا تھا۔ مسحور بھی کچھ کچھ دنگ نظر آ رہی تھی۔ آنسو پونچھ کر بولی "چچا جان۔ ہمیں یہ کہہ کر لائے کہ چلو جلدی سے۔ باجی کے ہاں بچی ہوئی ہے!"

"اے نوج۔ بدذات۔ ناشدنی" چچی جان بے تحاشا ہنس پڑیں "یہ لڑکا تو سچ مچ جھوٹ بولنے میں ایک نمبر کا شیطان ہے!۔ توبہ توبہ!"
اتنے میں افتخار صاحب بھی آ گئے۔! سارے حالات ان کے گوش گزار کئے گئے۔ انہیں ہنسی کم آئی غصہ زیادہ آیا۔ بولے "کتنی لغویت ہے۔ بعض وقت چھوٹا موٹا مذاق بھی سنگین صورت اختیار کر لیتا ہے۔ فرض کرو کہ خدانخواستہ اکیلی لڑکیوں پر کوئی افتاد پڑ جاتی۔ تب کیا ہوتا۔ آج کل تو پڑھے لکھے مہذب سفید پوش بدمعاشوں کی کارگزاریاں عام ہو گئی ہیں۔ کیا اس گدھے کو اتنا بھی ہوش نہیں کہ بہنوں کو شرارت کا نشانہ بنا رہا ہے۔ ایسا چھوٹا نا سمجھ بچہ تو نہیں ہے!"

آنے دو!" ابصار صاحب نے روزمرہ کی ایک عام گالی جس سے انکی بیوی کے چال چلن پر خاصہ حرف آتا تھا۔ ہشام کو دے کر کہا "کھال نہ اتار دی ہو۔ ناہنجار کی۔ تب کہنا!"

چچی جان نے غیرت کے مارے سر تھام لیا "ہزار مرتبہ ہاتھ چھوڑا بد ذات سے۔ پتہ نہیں کیسا چکنا گھڑا ہے۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی!"

"جان بوجھ کے شیطانی کرتا ہے اور کیا" باجی نے کہا۔!!!

سامرہ ایسی ہلکی پھلکی ڈانٹیں نوش فرمانے کی عادی تھی مگر مسعود جو بڑے نازوں کی پالی تھی۔ اسے بڑوں کی ڈانٹ پھٹکار کا تجربہ نہ تھا۔ اب دوسرے کی غلطی کا بھگتان اس نے بھگت کر جو صلواتیں سنیں تو دم بخود رہ گئی۔ اور اپنے کمرے میں بیٹھ کر ذرا سی دیر تو گم صم رہی پھر اچانک سسکیاں لے لے کر رونے لگی!۔ سامرہ اس کے ساتھ ہی آئی تھی۔ اس کا حال یہ تھا جیسے وہ بپھری ہوئی معصوم پیاری سی بلی ہو۔ گال اس نے بھی پھلا رکھے تھے۔ ہونٹ لٹکا دیئے تھے۔ اسے صدمہ نہیں تھا۔ غصّہ تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ کہیں ہشام اُسے پڑا مل جائے اور وہ کٹ کھنی بلی کی طرح اس پر پل پڑے اور اپنے تیز پنجوں سے خوب نوچے کھسوٹے!۔ لیکن ہشام شائد اپنی شامت سے بچنے کے لئے باہر ہی رہ گیا تھا!۔ ورنہ وہ اپنی اسکیم کو عملی جامہ ضرور پہناتی!۔ ویسے وہ موقعہ کی منتظر تھی۔ اور انتقام لینے پر کمربستہ تھی!

کچھ دیر تو وہ ہونق سی بنی مسعود کو سُسکر سُسکر کرتے ناک آنسو پونچھتے دیکھا کی اور پھر اس کی ہیئت کذائی پر بے ساختہ ہنس پڑی۔ مسعود نے لال بھبھوکا چہرہ اٹھایا اور حیرت سے سامرہ کو دیکھنے لگی!۔ سامرہ نے ہنستے ہوئے اسے تسلی دی "تمہارے لئے یہ نئی بات ہے۔ تم نے کبھی کاہے کو یہ حرکتیں دیکھی ہوں گی مگر میرے لئے دال روٹی ہے۔ روز ہم میں نوچا کھسوٹی

ہوتی ہے۔ میں تو سچ مچ ان پر دھاوا بول دیتی ہوں۔ ایک دفعہ ایسے دانت گڑوئے تھے کلائی میں کہ خون چھر چھرا آیا تھا اور تین دن تک میرے دانتوں پر ڈیٹول لگاتے پھرے تھے۔"

مگر ایسا بھی کیا ہے۔" مسحور گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔" میں نے ان کے سفید جھوٹ کو بالکل سچ سمجھا تھا۔ خالہ بی کی ذات درمیان میں لائے تھے۔ اب شبہ کیسے ہوتا بھلا۔"

تم ہی کہو۔ کیسے ناکارہ جھوٹے بدذات آدمی ہیں۔" سامرہ نے بڑی نفرت سے کہا۔" تم ہی ان کی بڑی مداح تھیں۔ ان کی اجاڑ سی صورت اور سیرت کی بے حد تعریفیں کیا کرتی تھیں۔ بڑے زندہ دل ہیں۔ بے حد خوش مزاج ہیں۔ یہ اور وہ۔ اب روتی کیوں ہو۔

اچھے تو وہ اب بھی لگتے ہیں۔" مسحور نے بے حد سادگی سے جواب دیا اور نارمل ہو کے بیٹھ گئی۔" میں نے عمر بھر ایسا چغد آدمی نہیں دیکھا!"

بات کاٹ کر سامرہ بولی۔" چغد نہیں۔ ڈھیٹ۔ بے غیرت۔ بے شرم۔"

ارے اللہ ایسا نہ کہو۔" مسحور بولی۔" تم ان سے بے حد خفا معلوم ہوتی ہو۔"

مجھے تو ان کی صورت سے نفرت آواز سے جلن ہے۔" سامرہ نے کہا۔" مگر تمہاری پسندیدگی سے یوں لگتا ہے کہ جیسے دال میں کچھ کالا ہے۔"

مسحور کے سفید سفید رخسار ایکدم گلابی ہو گئے۔ جھینپ سی گئی تھی۔" تم دال کی ہنڈیوں میں کالا سفید کیوں جھانکتی پھرتی ہو۔ ارے۔ دیوانی۔ مجھے اپنی پڑھائی ہی سے فرصت نہیں ملتی میں کسی کو پسند ناپسند کرنے کہاں جا رہی ہوں۔ اب دیکھو ٹرم کی تعطیلات کے بعد ہی سیوکس کا پرچہ ہے۔ میں نے ابھی تک کچھ نہیں پڑھا۔"!

اگر امتحان محبت میں کامیاب ہو جاؤ تو سمجھو کہ سالانہ امتحان میں کامیاب ہو گئیں"

لوفروں کی طرح آنکھ مارنے کی کوشش میں ناکام رہ کر سامرہ نے کہا "

ہاں ہاں اب معلوم ہو گیا ہے۔ تم نے ضرور ایسا کوئی امتحان پاس کر لیا ہے تبھی تو تمھیں اچھا خاصہ تجربہ ہے" مسحور بولی "سچ بتاؤ۔ وہ آنکھوں کا اندھا کون ہے جس نے ــــــــ

" کوئی مجھے پسند تو کرے۔ دیکھنا اس کے پرزے کیسے اڑاتی ہوں" سامرہ نے فخر سے گردن اکڑا کر کہا " ہمارے تلوں میں تیل نہیں بی بی۔ اور محبت وحبت کو تو میں انسانی جذبوں میں سب سے حقیر، لچر اور لوچ جذبہ سمجھتی ہوں۔ کوئی بات ہے۔ اگر کسی کی ناک اونچی۔ کان سیدھے اور آنکھیں بڑی دیکھیں کہ بس چاروں خانے اس پر عاشق ہو گئے۔ اور لگے آہیں بھرنے، سانسوں کی دھونکنی پھونکنے اور کیا نام آنکھوں سے گنگا جمنا بہانے۔ میں تو بھائی اپنے ننھے منے باغیچے سے جتنی محبت کرتی ہوں۔ اتنی شائد گھر کے آدمیوں سے بھی نہیں کرتی!"

بڑی کٹھور ہو" مسحور نے کہا " تمھیں اپنے امی ڈیڈی اور بھائی بہنوں سے بھی محبت نہیں ہے کیا؟"

ہے بس گزارے لائق" بے اعتنائی سے سامرہ نے جواب دیا"

اور اپنے میاں سے؟" بے ساختہ مسحور نے پوچھ لیا۔ سامرہ کو ہنسی آگئی"

" ابھی ہے کہاں مردے نکلا"

کبھی تو ہو گا!"

" نگوڑا چین سے کھلائے پلائے گا۔ امپورٹیڈ ساڑیاں پہنائے گا۔ اور لڑے جھگڑے گا نہیں تو شائد میں اس کا خیال کرنے لگوں۔ اگر مٹی ملے نے

کچھ چوں چاں کی تو پھر وہ اپنے راستے میں اپنے راستے!" اتنا کہہ کر سامرہ نے آنکھیں نکالیں۔"

مگر تم اپنی کہو۔ آج عجیب الٹی پلٹی باتیں کر رہی ہو۔ عشق، محبت۔ میاں بیوی۔ بلا بدتر۔ بر آخر یہ ہے کیا؟"

"اللہ۔ میں تم سی سنگدل نہیں سامرہ" سحر نے اپنے دونوں گال اپنے ہاتھوں میں دبا لئے اور بھولپن سے بولی "ایک دفعہ کیا ہوا معلوم؟ کوئی سال بھر پہلے امی نے کہا کہ اب سحر کا بیاہ کر دینا چاہیئے۔ سُن رہی ہو۔ پاپا نے بھی ہاں میں ہاں ملا دی۔ میں صرف اٹھارہ سال ہی کی تو ہوں۔ ابھی کون سنی مارا ماری تھی۔ مگر میں خاموش رہ گئی۔ میں نے سُنا کہ وہ کسی صوبیدار کا اکلوتا لڑکا ہے۔ خوب مالدار ہے۔ مگر ایک عیب اس میں یہ ہے کہ نت نئی لڑکیوں سے دوستی کرتا اور کلبوں میں جا کر باپ کی کمائی خوب اُڑاتا ہے۔ مجھے بے حد صدمہ ہوا۔ یوں لگا جیسے وہ لڑکا میرا سچ مچ کوئی تھا۔ جس کی بے راہ روی پر میرا دل خون ہوا جا رہا ہے۔ پھر میں نے نہایت اعلیٰ درجے کے احمقوں کی طرح سوچا کہ میں اسے راہ راست پر لے آؤں گی۔ توبہ توبہ۔ کتنی اُلّو تھی میں بھی۔ پھر وہ قصہ بھول بسر گیا۔ امی اور پاپا نے ایسا کوئی سوال ہی نہیں اٹھایا لیکن میں منتظر رہی کہ وہ مجھ سے پوچھیں گے تو میں حامی بھر دوں گی ...... دراصل اس لڑکے کی صورت مجھے بے حد اچھی لگی تھی۔ بی مشاطہ امی کو دکھانے کے لئے تصویر لائی تھیں۔ امی سے چھپا کر میں نے بھی دیکھ لی تھی۔ اور مجھے بڑا ابرا لگا تھا کہ ایسا اچھا آدمی یوں بری صحبت میں پڑ کر برباد ہوا جا رہا ہے۔ اب تم ہی دیکھو کہ۔ کیا کہتے ہیں۔ وہ۔ تمہارے ہشام بھائی صورت و سیرت کے کتنے اچھے ہیں لیکن مجھے اس قدر افسوس ہوتا ہے ان کی حالت پر کہ بے چارے قطعی اَن پڑھ ہیں۔

اور یہ ایک خرابی ایسی ہے جس نے ساری اچھائیوں کو بھی ان کے عیب بنا کر رکھ دیا ہے "

سامرہ اس عرصہ میں کوئی پرچہ الٹتی پلٹتی رہی تھی۔ بیزار سی ہو کر بولی "

" بی بی، ایسے موم اور مکھن خیالات رکھو گی تو یاد رکھو کہ ایک روز کسی جھوٹے کے بناوٹی سلوک سے پگھل کر بہہ جاؤ گی۔ کسی سے اتنی متاثر نہ ہوا کرو۔ سمجھیں تھیں اپنے کام سے کام۔ کوئی بڑے کام کرے۔ کلبوں میں منھ دیتا پھرے۔ لڑکیوں کے پیچھے مارا مارا پھرے۔ باپ کی کمائی نالیوں میں بہائے۔ تمہاری بلا سے۔ ہائے اللہ۔ محمود! اگر کہیں اُس نابکار ناشدنی سے تمہارا بیاہ ہو جاتا تو تم کیسے سر پر ہاتھ رکھ کر روتیں؟ "

اتنی ہی پاگل ہوں میں۔ اور تم سے کیا کہہ رہی ہوں "

" پاگل پن کا ثبوت تو یہ بھی ہے کہ تم اللہ رکھے ہشام صاحب کو پسند کرنے لگی ہو۔ مگر ایک بات بتاؤ۔ تم نے ابھی ابھی ان حضرت موصوف کو تمہارے ہشام بھائی کیوں کہا تھا۔ کیا وہ تمہارے بھائی نہیں ہیں "

محمود کے لبوں پر ایک غماز سی مسکراہٹ اُبھری " میرے تو وہ کوئی نہیں۔ پھر میں خواہ مخواہ انہیں بھائی بند کیوں کہنے لگی "

اچھا جی۔ فنا کرو۔ یہ باتیں رکھو ادھر۔ یہ کہو کہ چار دن بعد بقرعید ہے۔ تم کیا پہن رہی ہو! "

میں گوشت نہیں کھاتی۔ مجھے بقرعید یا بکرعید سے کیا سروکار۔ محمود بولی۔ مجھے تو خوب کھاتی ہوں گوشت! " سامرہ نے کہا " مگر ابکی نئے کپڑے نہ پہن سکوں گی۔ امی شلوار سوٹ کے میچ کا دوپٹہ نہیں لے دے رہی ہیں۔ مجبوراً اس روز مجھے کپڑے ہی لادے رہوں گی! "

رمضانی نے پردے سے سر نکال کر جھانکا ۔" کھانا میز پر لگا دیا بی بی۔ اور تاکید کی ۔" ذرا جلدی آیئے گا ۔"

دونوں طعام خانے میں پہونچیں ۔ ایک طائرانہ نظر مسعود نے حاضرین پر ڈالی۔ سب موجود تھے مگر ان میں ہشام صاحب کا چاند سا مکھڑا دکھائی نہ دیا۔ وہ سمجھ گئی کہ سزا کے طور پر انہیں فاقہ کروایا جائے گا۔ اس کے خیال کی تصدیق بھی اسی وقت ہو گئی۔ پھوپھا ابا نے کھانے سے ہاتھ کھینچ کر کہا ۔"

" بنن بھائی۔ اب معاف بھی کر دیجئے۔ بے چارے نے ایسا کون سا قصور کیا ہے۔ شرارتیں تو اس کی عادت ثانیہ بن کر رہ گئی ہیں۔ مجھ سے کھایا نہیں جا رہا۔ میں اسے آواز دیتا ہوں ! "

سید میاں ۔" افتخار صاحب گرجے ۔" خاموشی سے کھاؤ۔ تم نے اس مردود کی تائید کی تو تم کو بھی میز سے اٹھا دوں گا ! سمجھے۔ ناخلف کی شرارت ایسی نہیں ہے کہ نظر انداز کر دی جائے ! " میں اسے کل بھی فاقہ کراؤں گا ۔"

پھوپھا ابا نے بڑی بے بس نظروں سے پھوپھی کو دیکھا اور خاموشی سے رکابی پر جھک گئے۔ ان کا انداز اتنا معصوم تھا کہ بے ساختہ پھوپھی کو ہنسی آ گئی۔ کھانا تو پھوپھا ابا کی کمزوری تھا۔ ایک وقت بھی اگر نہ کھاتے تو ان کے بھاری بھرکم بدن سے جان سرکنے لگتی تھی۔ منھ سے بات نہیں نکلتی تھی۔ لہٰذا پھوپھا ابا نے ہشام کو اس کی سزا بھگتنے کو چھوڑا اور ذرا ہی سی دیر میں اسے بھول بھال کر میز پر لمبے لمبے ہاتھ مارنے لگے ! "

مسعود کی حلق میں بھی نوالے اٹکنے لگے۔ کتنا برا لگ رہا ہے۔ اب کیا بیچارہ ساری رات بھوکا ہی رہے گا ؟ اس نے بڑی کینہ توز نظروں سے سارہ کو دیکھا جو اپنی پسندیدہ چیز اور مرچ بھرے ہندوستانی کباب پر ٹکی پر اٹھے کے

نوالوں میں تھیر تھیر کر خوب مزے میں کھا رہی تھی۔ کتنی پتھر ہے۔ مسحور نے سوچا۔
اور اس خیال سے کہ کوئی اسے ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا دیکھ کر سوچ نہ لے۔ جلدی
سے اپنی پلیٹ پر جھک گئی!

پھر ایثار احمد نے چپکے سے کہا: "ڈیڈی۔ میں اسے خوب سمجھاؤں گا۔ کان
پکڑ کر اٹھا بیٹھی بھی کرا دوں گا۔ مگر اب اسے آواز دے لیجئے!"

تم کھاؤ میاں: ابصار صاحب بور ہو کر بولے۔ حالانکہ ہشام کے باپ
تھے مگر ان کے دل میں بھی رتی بھر نرمی نہ تھی!

میز پر حسب معمول ادھر ادھر کی باتیں ہو رہی تھیں!۔ پھر سب کھا پی کے باہر
نکلے اور تتر بتر ہو گئے تو مسحور چپکے سے کچن میں آئی۔ رحیمن نانی نے اسے بڑے
پیار سے دیکھا اور پوچھا:

"چائے پیوگی بیٹا۔ آج باورچی خانے میں آئی ہو!"

نانی: تھوک نگل کے اور حلق تر کر کے مسحور نے پوچھا: دو ایک روٹیاں
اور تھوڑا سا کباب بچا ہو گا کہ نہیں!

اے وہ کیا چنگیری میں روٹیوں کا ڈھیر پڑا ہے: رحیمن نانی نے جواب
دیا: ادھر لگن میں اتنے بہت سے کباب بھی ہیں۔ افتخار میاں کے گھر کا کارخانہ
عجیب ہے۔ جب روٹیاں پکاؤ تو چاول کی پکار پڑتی ہے۔ اور اگر چاول
ابال لو تو روٹیوں کا غل مچتا ہے۔ مگر تم نے۔ سب کے ساتھ پیٹ بھر کھایا
نہیں کیا بی بی؟ میں کھانا تمہارے کمرے میں پہنچا دوں؟

وافر مقدار میں کھانا دیکھ کر مسحور کے ہاتھ پاؤں خوشی کے مارے پھول
گئے۔ نانی کو جواب دئے بغیر اس نے چار پراٹھے رکابی میں رکھے۔ کبابوں کا
بہت سا لوندہ کٹورے میں نکالا اور نیم تاریک صحن عبور کر کے جھٹ اپنے

کمرے میں آگئی۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ کہیں سائرہ نہ دیکھ لے اور پھر نتھنوں میں تیر ڈالے۔ اس نے سب کچھ سنگھار میز کے بڑے خانے میں چھپا دیا پھر کسی غیر متوقع وقت کا انتظار کرنے لگی۔ ہشام کے کمرے میں کھانا پہونچانا۔ اسے کھلانا۔ کتنا بڑا جان جوکھم کا کام تھا۔ وہ حیران نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے گا۔ کچھ الٹی سی بات سوچنے لگے گا۔ اگر وہ کچھ پوچھ بیٹھا تو پھر۔ یا خدا۔ آخر وہی اس کی ہمدردی میں کیوں اور لوڈ ہوئی جا رہی ہے۔ جبکہ اس کے ماں باپ بھی اسے مڑ کر نہیں پوچھ رہے!

آہستہ آہستہ وقت گزرتا رہا! اور وہ چپ چاپ اندر اندر بے چین ہوا کی۔ اگر یونہی رات گزرتی گئی تو کیا وہ اس کا بند دروازہ کھٹکھٹا کے اندر جائے گی اور اسے کھانا دے سکے گی۔ نہیں۔ ہر گز نہیں۔ یہ کام تو وہ ساری عمر نہ کر سکے گی۔ چاہے وہ زندگی بھر بھوکا رہے!

جھنجھلا کر وہ صوفہ پر آبیٹی۔ اور خود کو خفا ہونے لگی۔ کس خبط نے اسے گھیرا آخر اس کا خیال کیوں کر رہی ہے۔ وہ چند روز کے لئے یہاں آئی ہے۔ امی پاپا واپس آئیں گے وہ چلی جائے گی۔ اسے کسی سے کیا لینا دینا ہے۔ لیکن دماغ کی ان تاویلوں کو دل نے نہیں سنا! اور وہ ایک بار پھر سوچنے اور کوفت کھانے لگی!

لیکن غالباً اس کی خوش قسمتی تھی کہ جب وہ اندھیرے کمرے میں بیٹھی پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ باہر کچھ غیر معمولی شور و غل کی آوازیں گونجیں۔ مسحور کا دل دھڑکا۔ اور وہ اٹھ کر دروازے تک آئی۔ دالان میں تیز روشنی ہو رہی تھی۔ اور خواتین پریشان سی ادھر ادھر پھر رہی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ پھوپھی اور چچی جان بڑی احتیاط سے سنبھال کر باجی کو ان کے کمرے میں لا رہی

تھیں۔ آن واحد میں مسحور نے معاملہ سمجھ لیا۔ خوشی کا ایک فوارہ سا اس کے دل میں اُبلا۔ تو یہ بات ہے۔ اب اس کی راہ آسان تھی!:

گھر کے مرد تھوڑی سی چپقلش کے بعد پھر اپنی خواب گاہوں میں بند ہو گئے۔ باجی کے ساتھ ان کے شوہر ایشا احمد اور بھائی جان گئے تھے۔ عورتیں ساتھ تھیں۔ سارہ بھی نیند سے جاگی تھی۔ یہ سُن کر کہ باجی میٹرنٹی ھوم لے جائی گئی ہیں۔ وہ بُرا سا منھ بنا کر پھر سے سو گئی۔ اس کے نزدیک یہ بڑا غیر شاعرانہ اور غیر دلچسپ کام تھا!۔ جس کے ہاں بچہ ہوتا ہے۔ وہی ماں بنتی اور فخر کرتی ہے۔ دوسروں کو بیکار میں کھیسیں نکالنا کیا ضروری ہے!:

مسحور بھی دالان کی دہلیز تک آئی تھی۔ اسے معلوم ہوا کہ ہشام ہی بھاگ کر ٹیکسی لایا تھا اور دیر تک اپنے کمرے کے سامنے کھڑا رہا تھا۔ اور وہ فی الحال جاگ ہی رہا تھا!۔ اس کے کمرے میں روشنی تھی۔ دروازہ کھلا تھا۔ وہ مڑ کر کمرے میں گھسی اور جھپٹ کر سنگار میز کے خانے سے رکابی کٹورا نکالا۔ پھر کپکپاتے قدموں سے ہشام کے کمرے تک آئی!۔ لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ کمرے کے اندر بھی جا سکتی!:

رکابی کٹورا تھامے وہ کھڑی آنکھیں پھیلاتی اور کمرے میں چھائی ہوئی روشنی کو گھورا کی۔ اب اپنی حماقت پر وہ ہزار ہزار بار پچھتا رہی تھی:

اور پردے کے نیچے ایستادہ نسائی قدموں کو کمرے سے ہشام گھور رہا تھا۔ اسے تعجب تھا۔ بھلا بارہ بجے رات کو سارہ نے اس کے کمرے تک آنے کی زحمت کیوں کی ہے؟۔ کیا اسے کوئی شرارت سوجھی ہے:

جب اس سے ضبط نہ ہوا تو وہ اٹھا اور لپک کر پردہ سرکا دیا۔ آن کی آن میں دونوں کی نظریں ملیں۔ حیرت کے مارے ہشام بُت بن گیا۔

اور مسحور سچ مچ گڑ بڑا گئی!"

"آپ" ہشام حیرت کے مارے ہکلایا "آپ۔ کیا کہنے آئی ہیں"

ان میں تکلف اور حجاب کی دیوار ابھی تک کھڑی تھی۔ اور بات چیت آپ جناب سے باہر نہیں بڑھی تھی۔ ہشام کو تو خوب خبر تھی کہ اگر اس نے مسحور سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی تو پھر اس کا انجام بخیر و خوبی نہ ہو گا"

بصد وقت مسحور نے حلق سے آواز گھسیٹی "آپ کا کھانا۔ لائی ہوں۔ کھا لیجئے آپ کو۔ بھوک لگی ہو گی۔ اب۔ سوا بارہ بجنے والے ہیں"

میرے بارہ تو تبھی بج گئے تھے۔ جب پیٹ میں شیر ببر گرج رہے تھے" وہ اب بھی بڑے وحشی انداز میں ہنس کر بولا "آپ کا بہت بہت شکریہ۔ مگر کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں سچ مچ بھوکا ہوں!"

برتن مسحور کے ہاتھوں سے پھسلنے لگے۔ وہ اسے تکنے لگی تھی"

"ارے مجھ سا کنگلا بیٹھو بھلا اس وقت تک کھائے پیئے بغیر رہ بھی سکتا ہے۔ اس نے کہا "آپ سمجھتی ہیں نا۔ آٹھ ہی بجے سب سے پہلے پھوپھی اماں مجھے پیٹ بھر کھانا کھلا چکی ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ سب سے پہلے میں نے کھایا ہے"

وہ جاہلوں کی طرح گھوں گھوں کر کے ہنسا۔ مسحور کو اپنی اس حماقت بھری پوزیشن پر بڑا غصہ آیا"

"تو پھر۔ میں۔ جو یہ سب کچھ لائی ہوں" وہ بگڑ گئی"

"یقین مانئے کہ آج تو خوب ٹھونس لیا ہے۔ ورنہ آپ کی خاطر یہ بھی کھا لیتا۔ سچ مچ اب بالکل گنجائش نہیں۔ یہ آپ نوش فرمائیے۔ اچھا شب بخیر" اور الٹے قدموں کمرے میں گھس کر کھٹاک سے دروازہ بند کر لیا۔ روشنی گل کر دی۔ مسحور کے طیش کا کیا پوچھنا۔ اس نے برتن وہیں چوکھٹ کے پاس رکھ دئے اور

پھنکارتی ہوئی واپس آئی۔ غصّے کے مارے تن بدن آگ ہوا جا رہا تھا۔ اسے ہشام پر کم اور خود پہ غصہ زیادہ تھا۔ بھلا اُسے اتنی محبت جتانے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ اب وہ کیا سوچے گا۔ صبح کو وہ اس سے کیسے نظریں ملائے گی۔ کیا پتہ۔ اب وہ سارہ کی طرح اسے بھی چٹکیوں میں اُڑائے۔

اس نے خواہ مخواہ اپنی نیند کھوئی۔ سکون غارت کیا۔

پھوپھی اماں بھی خوب ہیں۔ اسے بھلا آئی تھیں۔ تبھی تو کھانے کی میز پہ چُپ چاپ مزے مزے میں کھا رہی تھیں!"

صبح تک الجھنوں کے مارے وہ سوچتی جاگتی رہی۔ پتہ نہیں کون سا وقت تھا۔ جب کسی نے اس کے کان کے پاس گنگنا کر کہا:

"لڑکا!"

اس نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ اور ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ کمرے میں بڑی خواب آگیں روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اور سارہ صوفہ کے پاس کھڑی نماز کا دوپٹہ سر سے لپیٹ رہی تھی!۔ دُور مؤذن بڑی رُوح پرور آواز میں قرارت کر رہا تھا:

الصّلوٰۃ خیر من النّوم"

کمرہ بند کر کے نہیں سوتیں!" سارہ بولی "زمانہ اچھا نہیں ہے۔ اندر سے کنڈی دے کے سویا کرو!"

تم نے ابھی کچھ کہا تھا میرے کان میں" مسحور نے پوچھا۔

"ہاں۔ تھوڑی دیر پہلے میٹرنٹی ہوم سے فون آیا تھا۔ باجی کے ہاں پھر لڑکا ہوا ہے۔ ڈیڈی نے کہلوایا ہے کہ جلدی سے نماز پڑھ لیں تو پھر ناشتہ کر کے چلیں گے بچے کو دیکھنے کے لئے!" سارہ بہت خوش تھی "اٹھو جلدی کرو۔

اتنی افیونچی کیوں ہو گئی ہو۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کار بھجوادی ہے۔ دیر کرو گی تو ڈیڈی اکیلے چلے جائیں گے!"

بعد نماز وہ دالان میں آئیں۔ تب بوا رحیمن ناشتہ لگا رہی تھیں۔ تخت پہ ہشام صاحب بھی موجود تھے!۔ رات کی سنگین "سزا" کا رتی بھر اثر ان پر نہ تھا۔ نہ یہ خیال تھا کہ سزا بھگتنے کے بعد افتخار صاحب کو صورت نہ دکھائیں۔

الصار صاحب بھی تولیے سے منہ پونچھتے ہوئے آگئے!"

گڈ مارننگ ڈیڈی!" ہشام نے انہیں سیلوٹ کیا"

"لاحول ولا قوۃ۔ ہزار بار کہا تم انگریز کی اولاد نہیں ہو۔ اسلام علیکم کہا کرو۔ الصار صاحب نے کہا"

اسلام علیکم ڈیڈی!" اس نے قرأت سے کہا"

وعلیکم!" الصار صاحب کھنکھارے۔ اور ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئے!

مسعود بہت مجحوب ہو رہی تھی۔ کیا معلوم یہ کچھ بکواس نہ کر دے"

مگر وہ اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوا۔ بڑی شائستگی سے رات کا باسی پراٹھا چائے میں ڈبو ڈبو کر کھاتا رہا۔ اور کچھ کچھ کراہتا رہا۔ بالآخر جھلا کر الصار صاحب نے پوچھا "کیا ہو رہا ہے۔ کیوں کانکھ رہے ہو!"

"کل کل اسی وقت چائے پی تھی" وہ بڑی فاقہ زدہ آواز میں بولا"

سارا دن ساری رات پیٹ میں مروڑیاں اٹھتی رہیں۔ اب یہ چائے معدہ میں پہنچ کر ہڑتال کر رہی ہے ڈیڈی۔!"

سائرہ کو ہنسی آگئی!" مسعود اس کے جھوٹ پر منہ بنا کر رہ گئی"

توبہ کی اپنی خباثتوں سے کہ نہیں؟" الصار صاحب نے پوچھا"

آپ لوگ مجھی کو جھوٹا سمجھتے ہیں ڈیڈی!" اس نے منہ پھلا لیا"

اے بھائی یہ صبح صبح چائے کی خوشبو کہاں سے آرہی ہے" برآمدے سے جھانک کر پھوپھا ابا نے پوچھا"

آؤ آؤ!" ابصار صاحب ہنس کر بولے" آج ذرا جلدی ناشتہ ہو گیا۔ ہم جارہے ہیں ماہرہ کے بچے کو دیکھنے۔ اگر چاہو تو تم بھی چلو!"

"ماہرہ کا بچہ۔ اماں واللہ" ابصار بھائی!" پھوپھا ابا بھونچکا ہو کر بولے" یہ ماہرہ کی شادی کب ہوگئی؟"

"ارے پھوپھا ابا سب چلتا ہے۔ ہشام بول پڑا۔ افتخار صاحب کو اچھو لگ گیا"

"اٹھو۔ یہاں سے بھاگو۔ گدھے" ابصار صاحب کو ہنسی آگئی۔ پھوپھا ابا منہ دھوئے بغیر آکے بیٹھ گئے۔ لڑکیاں ہنسی روکتی اٹھ کر چلی گئیں۔ ان کے پیچھے ہشام بھی صحن میں نکل آیا"

کپڑے تو بدل لو۔" اس نے سارہ سے کہا" نجانے کس بد ذوق نے پھولدار شلوار سوٹ نکالا ہے۔ بالکل بھنگن معلوم ہو رہی ہو۔ ہسپتال والے ہاتھ میں بالٹی اور جھاڑو پکڑا دیں گے"

آپ خود ہزار بار بھنگی!" سارہ بھن بھنائی"

اچھے خاصے کپڑے تو ہیں" مسجور نے کہا"

"آپ کو نہیں کہہ رہا ہوں۔ آپ اس لباس میں بہت اچھی لگ رہی ہیں۔ لیکن یہ۔ جیسے کسی نے تربوز پر دو عدد کاجو چپکا دئے ہوں۔ شکل و صورت پر نمک کا چھینٹا تک نہیں!" ہشام نے کہا"

"سچ مچ ہاتھ مار دوں گی ہشام بھائی!" سارہ اس کی طرف دوڑی مگر پھر رک گئی"

"اپنے میاں پر مارنا ہاتھ۔ میں فاقے کر کر کے یونہی دُبلا ہوا جا رہا ہوں۔ کوئی دو نوالوں کو پوچھنے والا بھی نہیں۔ ناقدری کی انتہا ہے!"

اپنی کرنی تو دنیا میں کوئی دیکھتا ہی نہیں" جل کر سارہ نے کہا "دوسروں کی آنکھ کا تنکا بڑی جلدی نظر آجاتا ہے"

جیسے جیسے تم بڑی ہو رہی ہو۔ زیادہ ٹرّی اور زبان دراز ہو رہی ہو۔ معلوم نہیں سسرال میں تمہارا کیا حشر ہو گا"

میری فکر میں آپ مت دُبلے ہوئیے!" سارہ چلائی"

چپ چپ۔ وہ لوگ آرہے ہیں" مسعود جلدی سے بولی"

میٹرنٹی ہوم پہونچ کر ہشام تو جیسے پاگل ہی ہو گیا۔ یوں لگتا تھا اس نے پہلی بار کوئی ننھا بچہ دیکھا ہو۔ اور تو سب وارڈ میں ادھر ادھر بیٹھے ماں بچے کی خیریت پوچھنے لگے تھے۔ ہشام جھولے پر جھکا اور ایک دن کے گلگلے ایسے بچے کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگا!"

اب اس کی ہڈی پسلی سرکاؤ گے کیا۔؟" اس کی امی چیخیں "چین سے آکے بیٹھو ادھر۔ گھر چل کے آرام سے گودی میں لینا"

وہ احمقانہ انداز میں عبرت انگیز طریقے پر بزرگوں کو دیکھتا ہوا بولا "کیا خدا کی شان ہے۔ ایک دن بھی چچا میاں ڈیڈی اور آپ لوگ بھی اتنے ہی بالشت بھرکے جھولے میں پڑے چیں چیں کرتے ہوں گے۔ اور آج اتنے بڑے ہو گئے ہیں۔ مجھے تو پتہ ہی نہ چلا آپ لوگوں کے قد کیسے بڑھ گئے!"

اس کی بکواس نظر انداز کر کے افتخار صاحب نے دریافت کیا "لیڈی ڈاکٹر نے گھر لے جانے کی اجازت دی ہے کہ ابھی نہیں!"

"ائے ہاں۔ اللہ نے بڑی مشکل آسان کر دی۔ اب کوئی خطرہ نہیں۔

آج شام تک گھر آجائیں گے!" بیوی نے جواب دیا۔
اس لئے کہہ رہا تھا کہ بھئی پرسوں بقرعید ہے" افتخار صاحب نے کہا۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ یہ اچھا نہیں لگے گا کہ ماہرہ اور ماشاء اللہ بچے گھر سے دور ہوں"۔
چاروں بچیاں اب ننھے منے گول مٹول سے بچے کو جھولے سے نکال لائی تھیں۔ وہ چھوٹی چوکی پر پڑا ذرا ذرا سی پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اور سب بے حد محبت و مسرت سے اسے دیکھ کر تبصرے کر رہی تھیں۔
"باجی آپ نے اچھی طرح دیکھا! کہیں یہ خدانخواستہ عورت بچی تو نہیں ہے" ہشام کی بے تکی آواز گونجی۔
تمہاری پیشین گوئی غلط نکلی" ماہرہ ہنس دیں"۔
کمرے میں عجیب سی چیاؤں میاؤں مچی تھی۔ افتخار صاحب اور انصار صاحب گھبرا کر باہر نکل آئے۔ کچھ دیر بعد دوسرے لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے سائرہ منمنائی "ممی۔ پھر آپ نے کہا نہیں۔ میرا میچنگ دوپٹہ۔ مجھے بس سو روپے دے دیجئے۔ میں خود دوپٹہ چپلیں اور چوڑیاں لے لوں گی۔ اب کالج بھی تو کھل رہا ہے نا ممی!"
افتخار صاحب کی بیگم غرائیں "بیکار پھینکنے کے لئے فالتو پیسے میرے پاس نہیں ہیں سمجھیں۔ یوں ہی کپڑوں سے الماری بھری ہے۔ پہلے وہ پہن کے ختم کرو۔ اب کالج کھلے گا۔ سہ ماہی فیس جمع کرنی پڑے گی۔ پھر عید کے اخراجات ہیں۔ اللہ رکھے اس کے بعد زچہ بچہ کا چھٹی چلّہ۔ نہیں نہیں۔ پیسے دیسے نہیں ملیں گے۔ لاکھ تم منہ بسورو۔ آخر مسحور، شینا اور صدف بھی تو ہیں۔ کسی کو کپڑوں کا موکا نہیں۔ مرد بھی تنگ نہ کرو مال یا عورتوں کے لئے کانی کوڑی نہیں

مانگی۔ تمہارے ہی لئے کون سی عید نئی آرہی ہے "

اصل میں مرد بچے بڑے شریف اور عقل مند ہوتے ہیں نا چچی اماں" ہشام نے انہیں سمجھایا" آپ عقل کی کوری چھوکریوں سے ہم مرد بچوں کا مقابلہ کرکے ناحق ہماری توہین فرماتی ہیں "

سامرہ نے یوں اسے گھورا جیسے آنکھوں میں نگل لے گی۔

ماہرہ کے گھر آنے کے بعد چہل پہل بڑھ گئی۔ ان کی سسرال سے کوئی نہ کوئی روز آتا۔ ان کی خاطر مدارات، بچوں کا شور، عید کا قرب۔ عجیب سی افراتفری مچی رہتی۔ عید کے بعد ہی سب کے کالج اور مدرسے بھی کھلنے والے تھے۔ بڑی مصروفیت تھی "

سامرہ تو بھری ہوئی تھی۔ سحر سے بولی" دیکھ لینا۔ انہی میلے کچیلے کپڑوں میں اگر عید کے دن بھی نہ گھوموں۔ بھائی جان کے مانگتے ہی امی کی الماری کا منہ کھل جاتا ہے۔ ہمیں سو روپے بھی نہیں ملتے! "

" ناشکری مت کرو" سحر بولی" تمہیں تو خالہ بی ہمیشہ ہی کچھ نہ کچھ دیتی رہتی ہیں اور پھر بھائی جان کا تو یہ ہے کہ وہ ہزاروں کماتے بھی تو ہیں! ؟ "

" اور تمہاری ممی کا خط آیا تھا۔ کیا لکھا ہے۔ میں پوچھنا بھول گئی تھی ؟ "

آنے جانے کا حال نہیں لکھا" سحر بولی" صرف خیریت لکھی ہے۔ مجھے دھیان سے پڑھنے کی تاکید کی ہے۔ اور بس۔ مگر سامرہ۔ سچ پوچھو تو اب پڑھنے میں میرا دل ہی نہیں لگتا ہے۔ جانے کیا جی چاہتا رہتا ہے۔ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی "

" تم شعر و سخن کی دیوانی۔ افسانے کی سرزمین میں رہنے والی پاگل سی روح ہو۔ جو کچھ تمہارا جی چاہتا ہے وہ تم کر نہیں سکتیں۔ کہہ نہیں سکتیں۔ کیا فائدہ

بیکار خون جلانے سے بی بی ۔ دنیا میں جینا ہے تو بالکل خشک انسانوں کی طرح جیو ۔
اچھا کیا کہیں نگوڑ ماری محبت کا روگ لگا لیا ہے !" سائرہ بے حد اکل کھری تھی ۔
اے تیری میری محبت کی ہوا چھو کے بھی نہیں گزری تھی ! ۔ سحور مسکرائی ۔

" تم خالہ بی اور پھوپھی اماں کی طرح نگوڑی بولتی ہو تو مجھے اچھا لگتا ہے "
سائرہ کو اس کی بات کا جواب نہیں ملا تھا ۔ اس نے پرواہ بھی نہ کی ۔ اپنی ممی سے
بدلہ لینے کی تدبیریں سوچا کی "

باہر سب سے ملنے کے لئے جانے کہاں کہاں کی رشتہ دار خواتین آئی تھیں ۔
ایک شور بے ہنگام برپا تھا !"
سحور اٹھ کر بڑی سی خوب صورت کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی ۔ موسم اب بھی
بے حد حسین تھا ۔ دن بھر پانی برسا کیا تھا ۔ دیواروں پر عشق پیچاں کی بیلوں
کو سرسراتا ، پرنالوں اور کھڑکیوں کے شیشوں سے ٹکراتا ۔ اس قدر تسلسل سے
مینھ برسا کہ باغ کی ننھی منی نہریں لبریز ہو گئیں پانی شفاف روشوں پر بہہ نکلا
اس طوفان باد و باراں میں جب ہوا ہر چیز کو اڑائے لئے جاتی تھی ۔ اور پانی
جلترنگ بجا رہا تھا ۔ ساری مخلوق حتیٰ کہ پرند و چرند بھی محفوظ جگہوں پر چھپے
بیٹھے تھے ۔ سحور کا دل نجانے کیا چاہنے لگا ۔ وہ اپنے محسوسات پر عقلمندی کے
پہرے نہ بٹھا سکی !"

اب پھر وہ ہی کون سا رہ گیا تھا ۔ اگر وہ اسی برآمدے سے نکل چلے تب ۔
اس کا کمرہ اسی قطار میں تو ہے "

آہ ۔ وہ جاہلانہ معصومیت ۔ بے خبری کی باتیں ۔ دنیا کے مکر و فریب سے
قطعی آزاد ۔ مجھے وہ کتنا پیارا سا لگتا ہے ۔ اس نے مڑ کر سائرہ کو دیکھا ۔
وہ خشک اور رومان بیزار لڑکی بڑے انہماک سے اپنی کتابیں جھاڑ پونچھ کر

ایک میں لگا رہی تھی اور ایک مرتبہ پھر کالج کی گہما گہمی میں کھو جانے کا خیال اس کے لبوں پہ مسکراہٹ بن کر چھلک رہا تھا!"

ہُنہہ!۔ دنیا میں تعلیم ہی تو سب سے ضروری نہیں۔ خاص کر لڑکیوں کی تعلیم ایک ملغوبہ سا سحور کے حلق میں اٹک گیا۔ جانے کس کس اسکول اور کالج میں لاکھوں لڑکیاں دن رات پڑھنے میں جُٹی ہوں گی۔ ایک دن ان گنت لڑکیاں بڑی بڑی سندیں لے کے نکلیں گی۔ آخر ان سب کا ہوگا کیا؟ وہ سب کی سب کہیں کی منسٹر، گورنر، بیرسٹر بن جائیں گی؟۔ ان لوگوں کا مقدر گھر گرہستی ہی ہے ڈگری گلے میں لٹکائے چولھا پھونکیں گی؟۔ عورت کا کام ہی یہی ہے۔ تو پھر۔ وہ کیوں خواہ مخواہ جھک مار رہی ہے۔ یک بیک اس کا جی اُچاٹ ہو گیا۔ اسے یاد آیا کہ اس کے ماں باپ باوجود اس کے کہ وہ ان کی اکلوتی ناز ونعم میں پروردہ لڑکی تھی جلد سے جلد اس کی شادی کے لئے کوشاں تھے۔ اپنے رشتے داروں سے ملاقات کا ایک بہانہ یہ بھی تھا وہ سحور کے لئے اچھے لڑکے کی تلاش تھی۔ کیا ہوگا اگر کوئی منحوس مارا اچھا لڑکا ہاتھ آ ہی گیا۔ وہ بھی اپنی پہلی اور آخری خاموش محبّت دل کے تہہ خانے میں چھپائے آہیں بھرتی ڈولی میں جا بیٹھے گی۔ بھلا کون جانے گا وہ کیا چاہتی رہی تھی۔ اور پھر۔ اس کی یہ آرزو قابل پذیرائی ہے بھی تو نہیں۔ ناممکن سی بات۔ وہ ہستی جسے اس نے خیالوں میں بسا رکھا ہے۔ قطعی طور پہ کسی کے لئے اہم نہیں۔ ان پڑھ، جاہل، گنوار، جانور، کئی سہانے خطاب ہیں اس کے۔ کوئی اسے گھر میں پلے جانور سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ بس کھاتا پیتا اور مست قلندر رہتا ڈنڈے بجاتا پھرتا ہے۔ ماں باپ تک اسے یوں نہیں چاہتے جیسے اسے چاہا جانا چاہئے۔ چھوٹے بہن بھائی چٹکیوں میں اُڑاتے ہیں۔ اس کی شادی ایک حیران کن بات

ہے۔ بھلا کس باپ پر اس کی بیٹی بھار ہے کہ وہ بے روزگار جاہل کے حوالے کر دے؟
اور وہ تو خاصے دولت مند ماں باپ کی بیٹی ہے۔ وہ لوگ اس کے لئے اپنی ٹکر کا خاندان ڈھونڈیں گے"

وہ سامرہ کی آواز سے چونکی۔ چونکی کیا اپنے تخیلات کی جنت سے واپس حقیقت کے دوزخ میں آئی!۔

" مارے بین گرد میں اٹ گئی ہوں" وہ کہہ رہی تھی "ذرا نہا ڈالوں۔ تمہارا جی چاہے تو میرے مضمون پر ایک نظر ڈال لینا۔ کوئی غلطی ہو تو بعد میں ڈسکس کر لیں گے!۔ تم نے تیار کر لیا مضمون؟"

مجھے تو یاد بھی نہیں رہا!" ایک پھیکی بے رس مسکراہٹ سحور کے لبوں پر رینگی
" جانے کون سی دھن میں رہنے لگی ہو۔ لکھ لو۔ ابھی دو دن باقی ہیں۔ میں تو بھائی مسز درانی سے بہت ڈرتی ہوں۔ ساری کلاس کے سامنے دھرّے اڑا کے رکھ دیتی ہیں!۔ خواہ مخواہ ان کی باتیں کیوں سنو!"

میں بہت بدل گئی ہوں۔ سامرہ سحور نے کہا "میرے خیالات میں بہت سے انقلاب آگئے ہیں۔ تم جس طرح سوچتی ہو۔ میں نہیں سوچتی!"

تم پاگل ہو رہی ہو" سامرہ نے حسب عادت اُسے ٹکڑا سا پکڑا دیا۔
اور باہوں پر کپڑے ڈال کر غسل خانے میں گھس گئی!!

برآمدے کے نیچے سنڈھی میں ایک طوفان مچا ہوا تھا۔ سب بچے وہاں جمع تھے ہنسی قہقہے، آوازیں۔ کیا ہو رہا ہے وہاں۔ سحور نے جھک کر جھانکا۔ بارش رک چکی تھی۔ ایک جگہ گڑھے میں بہت سا پانی جمع ہو گیا تھا۔

ہشام اندر سے بہت سے اخبار اٹھا لایا تھا اور نہایت اہتمام سے کاغذ کی بڑی بڑی ناؤ بنا کر بچوں کو دے رہا تھا۔ اپنی اپنی ناؤ بچے پانی میں تیرا رہے تھے۔ ان میں مقابلہ ہو رہا تھا۔ کس کی ناؤ جلدی سے "ساحل" تک پہونچتی ہے۔ اچانک ایک مینڈک کا ننھا سا بچہ پانی میں اچھلا۔ اور ساتھ ہی ایک شور ابھرا:

"مگرمچھ۔ مگرمچھ"

ہشام نے ہاتھ بڑھایا اور بچے کو ہاتھ کے کٹورے میں لے لیا۔ اب وہ کوشش کر رہا تھا کہ ایک بڑی سی ناؤ میں بچے کو بٹھا دے!۔ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہو گیا۔ دوہرے کاغذ کی مضبوط سی ناؤ مینڈک کے بچے کو لے کے چلی۔ اور بے شمار تالیاں بج اٹھیں۔

شامی بھیا۔ ایک بچہ ہمیں پکڑ دیجئے!" صدف للچائی۔ کہاں سے پکڑ دوں۔ ہو بھی تو" وہ جھلایا" مینڈکی ایک ہی دے کے چلی گئی۔ کہو تو میں بن جاؤں مینڈک کا بچہ؟"

ننھی سی تلیا پر ایک سایہ سا منڈلایا۔ سب نے نظریں اٹھائیں۔ اور مسحور کو دیکھ کر زیادہ جوش و خروش سے اسے اپنا تماشہ دکھانے لگے۔

ارے آپ!" ہشام نے خوش ہو کر کہا اور بڑے دھڑلے سے بولا جب سے آپ نے مجھے کھانا لا کے کھلایا ہے۔ میں آپ کو بے حد اچھا سمجھنے لگا ہوں۔ اس نکچڑھی سے تو آپ لاکھ درجہ اچھی ہیں۔ آئیے آئیے۔ بیٹھئے" اس نے شینا کو للکارا" کاغذ دہرا کر دو۔ انہیں ایک بڑی سی کشتی بنا کے دوں۔ مگر ٹھہرو۔ پہلے ذرا مینڈک کا بچہ تو ڈھونڈ لیں" اس نے کسی قسم کی کراہیت کے بغیر شڑاپ سے پانی میں ہاتھ ڈال دیا۔ مسحور بوکھلا گئی۔ کوئی اس

کی بکواس سن لے گا تو کیا کہے گا۔

بروقت وہ بولی: "نہیں نہیں۔ مجھے کشتی نہیں چلانا۔ میں تو ان کے کھیل دیکھ کر آگئی ہوں"

"اچھا اچھا۔ مگر بیٹھئے تو سہی۔ میں کشتی بنا کے ضرور آپ کو دوں گا۔ اگر مینڈک کا بچہ نہ ملا تو کشتی میں باجی کے بچے کو بٹھال دیں گے" اس نے احمقانہ قہقہہ لگا کر بچوں کی طرف دیکھا اور ایک آنکھ دبائی۔

"ارے شامی بھیا۔ یہ کیا؟" اشتہر چیخا۔

"کہاں!"

"یہ ادھر کنارے پر"

ہشام نے پانی پر ہاتھ مارا۔ فوارہ سا اڑا اور سب کے چہروں پر کیچڑ سی پُت گئی۔ جب اس نے ہاتھ اوپر اٹھایا تو مسحور نے دیکھا کہ اس نے چٹکی میں ایک پتہ پکڑ رکھا تھا۔ جس کی نوک سے ایک بڑا سا گھناؤنا کیچوا لٹک رہا تھا۔

"چھی چھی۔ تھو۔ لعنت ہے" ہشام نے ابکائی لی اور ہاتھ جو جھٹکا تو کیچوا مسحور کے شرٹ کے دامن پر آپڑا۔ اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی۔ اور دامن جھٹک کر وہ بے اختیار بھاگ پڑی۔ بچے بے تحاشہ ہنس رہے تھے! اور اس وقت اُسے جو طیش آیا تو اس نے دانت پیس کر سوچا کہ بالکل گدھا ہے۔ بدتمیز۔ وہ بڑی لاپروائی سے آگے بڑھ گئی۔

وحشی کہیں کا۔ کہہ رہا تھا کہ آپ نے کھانا کھلایا۔ اس نے کھایا کہاں تھا۔ دوسری صبح کو چوکھٹ کے پاس برتنوں میں کھانا رکھا دیکھ کر رحمو نانی نے جو چنگھاڑیں لگائی تھیں وہ مسحور کے کانوں میں اب بھی گونج رہی تھیں۔

ہشام کھیل سے اُکتا کر باجی کے کمرے میں گھس گیا!"

ایثار احمد لانگ چیئر پر لیٹے اخبار پڑھ رہے تھے۔ باجی ننھے کو گود میں لئے ان کی طرف سے پیٹھ پھیرے بیٹھی تھیں۔ وہ باجی کے پاس گھس کر بیٹھ گیا۔ ایثار احمد نے اخبار الگ رکھا۔ ایک ہلکی سی انگڑائی لی اور مسکرا کر ہشام کو دیکھنے لگے "

"کہو بھئی۔ کیا حال احوال ہیں۔ آج کل کیا کر رہے ہو؟"

جی کچھ نہیں" اس نے بڑی شان سے جواب دیا" فی الحال وضو بنا کے مجد جاؤں گا۔ آج کل باقاعدہ نمازیں پڑھ رہا ہوں۔ ارے دولھا بھائی میری دنیا نہ بنے نہ سہی۔ دین تو بن جائے گا! اللہ اللہ کرتے رہی سہی بھی گزر جائے گی"

ایثار نے قہقہہ لگایا" مولانا صاحب۔ آپ نے ابھی کیا فرمایا تھا۔ وضو کر کے آپ کہاں جائیں گے؟"

مجد!" اس نے سادگی سے کہا"

"واقعی ہشام تم" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے۔ پھر بولے" میاں۔ یوں کہو کہ وضو کر کے مسجد جاؤ گے!" بھلے آدمی۔ روزمرہ کی اچھی بول چال تو کم سے کم سیکھ جاؤ!"

دولھا بھائی اس پکی عمر میں کیا سیکھ جاؤں" اس نے ٹھنڈی آہ لی" بڈھے طوطے لوگ چلے تماشے۔ نچے مجھ پر تالیاں نہیں بجائیں گے۔ آپ لوگوں نے شروع سے دھیان دیا ہوتا تو آج میں بھی آپ کی طرح میٹرک تو ہو ہی جاتا!"

ابے بدمعاش۔ کیا میں میٹرک ہوں؟" ایثار نے آنکھیں نکالیں"

مم ۔ مڈل ! " وہ گھبرا گیا "
بچو ۔ تم کو یہ بھی پتہ نہیں کہ اونچی جماعتیں کتنی ہوتی ہیں ؟ "
" معلوم ہیں ۔ دس سے اوپر تک جتنی ہوں گی سب اونچی ہی ہوں گی ! "

اچانک اس کی نظر ایثار احمد کی جیب پر پڑی ۔ باریک ململ کے کرتے کی جیب میں رکھا سگریٹ لائٹر اور اس کے پاس سَو کا نوٹ صاف دکھائی دے رہا تھا ۔ ہشام کی تقدیر یاد تھی کہ نوٹ کا ذرا سا کنارہ لائٹر رکھنے کی گڑبڑ میں جیب کے منھ تک آگیا تھا ۔ وہ بولا " دولھا بھائی ۔ آپ نے یہ والا فلم دیکھا ۔ نام پڑھ کے بتائیے " اور اس سے پیشتر کہ وہ کچھ بولیں یا حرکت کر سکیں ۔ اس نے ان پر پھسل کر میز پر سے اخبار اٹھایا اور جیسے ہی غصہ ہو کر ایثار نے گردن موڑی بڑے ماہر جیب کترے کی طرح نہایت صفائی سے نوٹ بھی انگلیوں میں سرکا لیا ۔ اور پھر آناً فاناً سیدھا ہو کر اخبار ایثار کے گھٹنوں پر پھیلا کر بولا "

" یہ دیکھئے ۔ ذرا اس کا نام تو پڑھئے ۔ یہ فلم ضرور دیکھئے ۔ ایسا عمدہ کام ہے اس میں دلیپ کمار کا دولھا بھائی آپ عش عش ــــ "

" اُدھر ہٹو میاں ۔ یہ کہاں میری گردن پر سوار ہوئے جا رہے ہو تم ۔ میں واہیات فلمیں نہیں دیکھتا ۔ اور ۔ خبردار تم بھی مت دیکھا کرو ۔ میں کہتا ہوں آخر سب نے تم کو اس قدر شتر بے مہار کیسے بنا دیا ہے ۔ دن بھر عجیب عجیب واہیات حرکتیں کرتے پھرتے ہو ۔ ۔ ۔ ۔ یہ تمہارے ہاتھ میں بسا بند کا ہے کی ہے "

" مینڈک پکڑ رہا تھا گڑھے میں ! "

" کیا ؟ "

جی ہاں۔ وہ آپ کی نئی سالی صاحبہ مسحور بی بی نے فرمائش کی تھی کہ گڑھیا میں مینڈک کے بچے کلبلا رہے ہیں۔ ایک پکڑ دو۔ کاغذ کی ناؤ میں بٹھال کر تیراؤں گی۔ میں نے پکڑ کے دے دیا!"

اچھا میں ابھی دھوئے آتا ہوں!"

ایثار!" باہر سے منصور نے آواز دی۔

آیا!" ایثار جان چھڑانے کے انداز میں اٹھ کر چلے گئے۔" وہ باجی کے پاس پھر آ بیٹھا۔ اب ننھا ان کی گود میں سو رہا تھا۔ ہشام بڑے شوق و محبت سے اس پر جھک گیا۔ کچھ دیر آپ ہی آپ ہنستا رہا پھر بولا" باجی۔ آپ نے غور کیا۔ اس کے فیوچر سب میرے ایسے ہیں مثلاً ——"

بات کاٹ کر ماہرہ نے کہا" فیوچر نہیں اُلو۔ انہیں فیچرز کہتے ہیں مطلب یہ کہ خط و خال، ناک نقشہ، بے وقوف۔ انگریزی کیوں بولتا ہے جب آتی نہیں اُدھر۔ آپ میری بات سنئے۔" اس نے لاپرواہی سے ہاتھ ہلایا" میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ بالکل میری طرح حسین ہے۔ اتنی ہی اونچی خوشنما ناک ہے جیسی میری ہے۔ ویسے ہی یاقوت کی پنکھڑیوں کے سے ہونٹ ہیں اور کیا نام۔ مور کی سی لمبی گردن۔ باجی میں جب آئینے کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں تو دنگ رہ جاتا ہوں۔ مجھ سی حسین صورتیں بھی اللہ میاں نے کم ہی بنائی ہوں گی۔ اپنے گھر میں دیکھئے۔ ڈیڈی۔ چچا میاں اور پھوپھا ابا سب کے سب یونہی آدمی کی شکلیں لے آئے ہیں۔ اور بھائی جان اور دولہا بھائی تو خاصے بدشکل ہیں۔ آپ کے میاں کے منہ پر ابا بیلی مونچھیں۔ ہنہ۔ کوئی صورت ہے نگوڑی۔"

ہوں!" باجی پھنکاریں" آیا ہے کہیں سے بڑا خوب صورت۔ بالکل بندر جیسے!۔ پکوڑی سی ناک۔ اور ——"

ارے بھئی ماہرہ !" اچانک پھر ایثار احمد کمرے میں آئے۔ چہرے پر فکرمندی کے آثار تھے۔ دونوں ان کی آواز سُن کر ادھر متوجہ ہو گئے۔ ہشام کا چہرہ شرارت کے مارے چمک رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ آنکھوں سے قہقہے لگا رہا ہو۔ مگر اس پر غور کون کرتا۔ ایثار احمد نے کچھ کھسیا کر ہنستے ہوئے کہا :

میں کہہ رہا تھا۔ کمرے میں تمھیں کوئی نوٹ تو پڑا نہیں ملا ۔؟"

نوٹ ؟" ماہرہ بولیں :

ہاں " ایثار احمد نے کرتے اور پاجامے کی جیبیں ٹٹولتے ہوئے کہا۔ صبح تک میں نے دیکھا کہ میرے پاس تھا۔ مگر اب جو منصور کے ساتھ باہر جانے لگا تو دیکھا کر غائب۔ ہشام۔ یار تم نے تو کہیں نہیں دیکھا "

پانچ روپے کا تھا !" نہایت بھولپن سے ہشام نے پوچھا "

سَو روپے کا تھا بیٹا " ایثار احمد نے کہا :

" دولھا بھائی۔ میں نے عرصہ پندرہ سال سے کوئی سو کا نوٹ نہیں دیکھا۔ جاہل مطلق ہوں نا۔ مجھے دیتا ہی کون ہے۔ لبّا ڈپی کر کے سنیما کے لئے بہت سے بہت پانچ روپے کہیں سے مار لئے تو مار لئے ورنہ ——— "

میں یہ سب نہیں پوچھ رہا ہوں " ایثار جھنجھلا گئے :

آپ دوسرے کپڑوں کی جیبوں میں دیکھئے " ماہرہ نے کہا "یہاں تو صبح ہی رمضانی جھاڑو دے گیا۔ ہوتا تو اسے ملتا !"

" ہاں ہاں " وہ کچھ سوچتے ہوئے بولے اور پُرتفکر انداز میں سگریٹ کے مدھم مدھم کش لیتے چلے گئے ! ۔ ہشام نے باجی کی نظریں بچا کر اپنی جیب میں پڑے نوٹ کو چُرمرایا اور بولا "

بڑی بُری عادت ہے۔ اپنے پیسے دیکھ سنبھال کر رکھنا چاہیئے۔ مگر سچ

کہئے ۔ آپ نے تو نہیں مار لئے ؟"

بکے جائے گا بس" وہ جُز بز ہوئیں "میں کیوں مارتی ۔ ضرورت ہی کیا ہے"

ممی تو یہی کرتی ہیں" وہ بے حد خوشدلی سے ہنسنے لگا ! " ڈیڈی کے پیسے بڑے اطمینان سے چرا لیتی ہیں ۔ اور ڈیڈی کے پوچھنے پر دونوں میں خاصی جھڑپ ہوتی ہے ۔ کیا مجال کہ ممی اقرار کریں ۔ ڈیڈی ہی ہارتے ہیں اور پھر جب ڈیڈی صاحب باہر چلے جاتے ہیں تو ممی بے حد اطمینان سے چرائے ہوئے پیسے گنتی ہیں خوش ہو ہو کر ہنستی ہیں ۔ میں تو سمجھتا ہوں باجی ۔ ممی نے اب تک پانچ چھ ہزار تو اکٹھے کر لئے ہوں گے ؟"

چل جھوٹے ۔ چچی جان ایسا نہیں کر سکتیں" ماہرہ ہنسنے لگیں ۔ ارے آپ کیا جانیں" وہ بھی ہنسا " اچھا اب لائیے ۔ اسے میری گودی میں رکھ دیجئے ۔ کب سے تڑپ رہا ہوں ۔ وہ چاروں چڑیلیں مجھے بچے کو لینے ہی نہیں دیتیں"

وہ سیدھا ہو بیٹھا"

ماہرہ مسکرائیں اور ننھے کو اٹھا کر اس کی گود میں رکھ دیا ۔ ہشام اچانک بیقرار ہو گیا ۔ اور بچے کو بازوؤں میں سنبھال کر بڑے والہانہ انداز میں اسے پیار کرنے لگا ۔ ماہرہ اسکو اس دیوانہ وار محبت سے بہت متاثر ہوئیں ۔

کچھ دیر خاموش رہ کر خود کو سنبھالا گیں پھر پوچھا " ہشام ۔ میں تو مہینوں بعد میکے آتی ہوں ۔ مجھے یہاں کے حالات کا علم نہیں ہوتا ۔ مگر اب یہ میں نے دیکھا کہ ابّی، چچی جان پھوپھی اماں یا گھر کے مرد تمہارا کوئی خیال نہیں کرتے ۔ یونہی جانور کی طرح پھرا کرتے ہو ۔ وقت آیا کھا پی لیا ۔ رات ہوئی سو گئے ۔"

میں پوچھتی ہوں بیٹے ۔ اگر کسی کو تیرا خیال نہ ہو نہ سہی ۔ مجھے اپنا بھی کچھ ہوش ہے کہ نہیں ؟"

میں ان پڑھ ہوں نا باجی " اسنے بے حد دردناک لہجے میں کہا " میری کوئی اہمیت ہی نہیں ہے اس لئے میرا کوئی کیا خیال کرے گا ۔ کھانا پانی کپڑے ملتے ہیں ۔ بس یہی بہت ہے !"

پاگل دیوانے " باجی نے کہا " کیا ساری زندگی یونہی گزاردگے ۔ زمانہ تمہارے لئے یونہی رہے گا جیسا ہے ۔ بھیا ۔ سنو ۔ دن ہمیشہ یکساں نہیں رہتے ۔ نجانے کب کیسا وقت آئے ۔ فرض کرد کہ کل کو کوئی تمہاری کفالت نہ کرے ۔ یا تمھیں خود بھی کسی کی دست نگری اچھی نہ لگے تو پھر ۔ تم کیا کردگے ۔ تب وقت نکل چکا ہو گا ۔ آج کی سی آسانیاں نہیں رہیں گی ۔ ابھی تمہارا شمار لڑکوں میں ہے ۔ آگے تم مکمل مرد بنو گے ۔ تمہاری شادی بیاہ کا مسئلہ درپیش ہو گا ۔ سوچو کہ کون تم کو اپنی بیٹی دے گا ۔ اب تو یہ ہوتا ہے کہ لڑکے والے پوچھتے ہیں کہ لڑکی کیا پڑھی ہے ۔ تمہارے بارے میں لڑکی والے پوچھیں گے کہ لڑکا کیا پڑھا ہے ۔ کیا کرتا ہے ؟ تب ہم سب کیا جواب دیں گے ۔ اور تم کیا سوچو گے ۔ پچھتاؤ گے کہ ہائے میں نے وقت گنوا دیا ۔ کسی کی نہ سُنی ۔ مگر تب پچھتائے کیا ہو گا "

ہشام کا چہرہ مارے فکروں کے ستار کی طرح لمبا ہو گیا ۔ اور گویا دہشت کے مارے نطق ہی سلب ہو کر رہ گیا ۔ بہ مشکل تھوک نگل کے وہ بولا ۔

" پھق ۔ پھر ۔ باجی ۔ اب میں کیا کروں !"

" تمہنے " ان " کے بھجوائے ہوئے ٹیوٹر صاحب کو بھی تنگ کرکے بھگا دیا ۔ ورنہ کچھ پڑھ ہی لیتے ۔ وہ تو بڑے دعوے کرکے آئے تھے ۔ اپنا ساتھ لیکر

چلے گئے۔ سچ کہو۔ کیا تمہارا جی نہیں چاہتا کہ تمہارا شمار بھی تعلیم یافتہ لوگوں میں کیا جائے؟"

"ارے باجی بے حد جی چاہتا تھا۔ مگر تیسری جماعت میں چار بار فیل ہو گیا تو میرا دل ٹوٹ کے کرچی کرچی ہو گیا پھر ہمت ہی نہ ہوئی!"

اتنے میں ننھا کلبلایا۔ اسے سنبھالنے میں ان کی گفتگو ادھوری رہ گئی۔ پھر کسی کام سے بھابی بھی آگئیں۔ ان کے ساتھ سعود اور سارہ بھی تھیں۔ اب ہشام کا گزر یہاں کہاں تھا۔ مگر وہ ڈھیٹ اور مگرا بنا بیٹھا رہا اور لاپرواہی سے کوئی فلمی دھن گنگناتا رہا۔"

بھابی نے خیرہ ٹر کرتا ہوا ایک پیکٹ باجی کے سامنے پھینکا۔ اور ہنس کر بولیں۔ "سسرال میں یہ پہلی عید ہے نا۔ ساڑی آئی ہے۔ دیکھو بھلا کیسی ہے؟"

باجی نے زن سے لفافہ اٹھایا۔ اور للچائیں "اے ہے۔ رانی کلر۔ کام بھی بے حد نفیس ہے۔ تمہارے رنگ پر بڑی کھلے گی!" مبارک ہو"

باجی" سارہ بولی "کل چھ عدد بکرے بھی آئے ہیں۔ مگر میرا ایک دوپٹہ ہی نہیں آسکا!"

میری کون سی چیز آئی ہے۔ مردے نکلا ایک رومال تک نہ آسکا" ہشام نے گرہ لگائی"

"آپ کو کہاں جانا ہے۔ ہمیں تو کالج جانا پڑتا ہے" سارہ بولی"

"تو کیا۔ بیوی۔ کیا میرا دل نہیں ہے۔ پہننے اوڑھنے کو جی نہیں چاہتا؟" ہشام نے خالص بوار حیمن کے لب و لہجہ میں جواب دیا" یہی عمر ہی ہر قسم کے شوق کی ہیں۔ بڑھاپے میں تو نگوڑا دل یونہی مردہ ہو جاتا ہے!"

اے بیٹے دل چھوٹا نہ کرو" بھابی نے اس کا سر سہلاتے ہوئے کہا"

اللہ رکھے بہت جیو گے۔ بہت پہنو اوڑھو گے۔ اگر ایسا ہی جی زندہ گیا ہے تو کل عید کے دن میری یہ نئی ساڑی باندھ لینا۔"

"بھابی آپ کے پتلون بش شرٹ پر قناعت کر لیں گی۔" مسعود بولی۔ ہشام بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا۔ وہ بہت دنوں سے محسوس کر رہا تھا کہ مسعود کی نظر کرم اس پر تھی۔ ہر وقت اسے نگاہ میں رکھتی۔ جہاں وہ ہوتا وہاں کوئی نہ کوئی کام نکال کر جا پہونچتی۔ اس کا اڈہ پھوپھی اماں کے یہاں جمتا۔ اور مسعود وہاں بھی چلی آتی۔ خواہ مخواہ چھیڑ چھیڑ کر باتیں کرنے کی کوشش کرتی۔ ایک دفعہ اس نے ہشام سے اشعار کی بیاض بھی مانگی تھی۔ وہ گڑبڑا کر ٹال گیا۔ بیاض تھی ہی کب جو دیتا۔ کئی دنوں تک وہ اس کا پیچھا لئے رہی تھی۔ چاہے کسی نے توجہ کی ہو کہ نہ کی ہو۔ مگر ہشام کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ ان محترمہ کی یہ دلچسپی اور مہربانی بے سبب نہ تھی۔ مگر جیسے جیسے وہ اس کا سایہ بننے کی کوشش کرتی۔ وہ پیچھا چھڑا کر بھاگتا۔ اُسے وحشت ہوتی۔ کسی نے مسعود کی یہ علانیہ دلچسپی بھانپ لی تو کیا ہوگا؟ مسعود تو ایک دن اپنے گھر چلی جائے گی۔ لیکن یہاں تو بزرگ حضرات اس کی بوٹیاں کاٹ کے چیل کووں کو کھلا دیں گے۔"

انہیں مہمل گفتگو میں مبتلا چھوڑ کر وہ چپکے سے اٹھا اور کمرے سے نکل گیا۔ نیچے کمپاؤنڈ میں منصور کے چپراسی قربانی کے جانوروں کو باندھ رہے تھے۔ وہاں دوسرے بچے بھی کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ وہ بھی ابرار کو گود میں لئے اُن سب میں جا کھڑا ہوا۔ اور بچوں کی دلچسپ باتوں میں اپنی الجھنوں کو بھلانے کی کوشش کرنے لگا!"

بہت دنوں قبل کچھ ایسا ہوا تھا کہ۔ ہشام اور سارہ اپنے باغ میں جامن کے پیڑ تلے بیٹھے کھیل رہے تھے۔ دراصل وہ کارڈ بورڈ کے تختوں کو جوڑ کر

سائرہ کی لاڈلی بلی ہنی کا گھر بنا رہا تھا۔ اور سائرہ اپنی گول مٹول سفید ریشم کی سی بلی کو گود میں لئے بیٹھی تھی"۔ وہ دونوں بچے کسی بات پر رہ رہ کر ہنس پڑتے"۔
ایک طرف پتھر کی بنچ پر افتخار صاحب کی بیگم انصار صاحب کی بیوی سے باتیں کر رہی تھیں۔ گاہے گاہے ان کی نگاہیں ان بچوں پر بھی پڑ جاتیں۔ انہیں یوں محسوس ہوتا کہ یکبارگی ہشام ایک بھاری بھرکم مرد بن چکا ہے۔ سائرہ اب بچی نہیں رہا۔ وہ بے حد خوبصورت دوشیزہ ہے۔ اور ہشام کی بیوی بن گئی ہے۔ دونوں میاں بیوی اپنے گھر کے صحن میں بیٹھے ہنس بول رہے ہیں۔ پھر بلی نے ایک بچے کا روپ دھار لیا۔ ہشام کا بچہ۔ جسے سائرہ گود میں لئے بیٹھی ہے"۔
کیا سہانا اور دلکش تخیل تھا!"
انہوں نے ایک بار پھر بچوں پر نظر دوڑائی اور ہلکی سی سانس لے کر رہ گئیں۔
" ادی بڑی آپا۔ یہ آخر ہے کیا۔ کئی بار سن چکی ہوں۔ لمبی لمبی آہیں بھر رہی ہو کوئی یاد آرہا ہے کیا؟"
نوج دور پار۔ میرا کون لگا سگا ہے جو یاد آئے گا۔ سب چاہنے والوں کو گاڑ توپ کے بیٹھ رہی ہوں۔ اب اللہ سلامت رکھے جینے والوں کو انہی کو دیکھ کر زندہ اور خوش رہنا ہے"۔ بیگم افتخار نے جواب دیا"۔ میں سوچتی ہوں عزیزہ بہن۔ موت حیات کس نے دیکھی ہے۔ جو آج ہے وہ کل نہیں۔ نجانے کیا وقت کب آئے۔ یوں سب اللہ اچھا ہی اچھا کرے۔ مگر بہت جی چاہتا ہے کہ اپنے سامنے اپنے بچوں کو گھر بار سے لگا دیں"۔
" تم قنوطی بہت ہو گئی ہو بڑی آپا"۔ عزیزہ بیگم نے کہا"۔ جب سے تمہاری اماں گزری ہیں۔ تم وہ پہلے کی سی زندہ دل خوشمزاج اور چونچال رہی ہی نہیں ہو۔ مایوس خیالوں کا بار دل پر سے ہٹاؤ۔ غمناک باتیں سوچ سوچ کے آدمی وقت

سے پہلے ختم ہو جائے۔ اللہ چاہے گا تم اپنے سامنے سب کی شادیاں کرو گی۔ منصور کی بات چیت لگ گئی ہے۔ طاہرہ کا سلسلہ بھی چل ہی رہا ہے۔ اور دوسرے بچے ابھی بہت چھوٹے ہیں۔ ان کا کیا!"

میرا تو جی چاہتا ہے کہ ——" بیگم افتخار کچھ کہنے چلی تھیں کہ دونوں بچے اُنکے پاس آ کھڑے ہوئے۔ ہشام کے ہاتھ میں نامکمل سا چھوٹا خوبصورت سا گھر تھا۔ سارہ خوش ہو ہو کر اچھل رہی تھی!"

چچی اماں دیکھئے۔ دیکھئے۔ سارہ کی بنی کا گھر" ہشام کا چہرہ فرطِ مسرت سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ گویا اپنے فن کی داد چاہنے کے لئے ماں اور چچی کو بار بار دیکھ رہا تھا!۔ اور گویا ان کی آنکھوں میں گھر گھونسے دے رہا تھا"

بہت پیارا ہے" بیگم افتخار بولیں" اب بنی اس میں آرام سے سوئے گی۔ جو ہاں پکڑ کے لائی اگر۔ تو وہ بھی اپنے ڈائننگ روم میں بیٹھ کر کھائے گی" اس کے بچے ادھر والے کمرے میں رہیں گے" سارہ بولی۔ اس کا بھولا بھالا چہرہ بھی گلنار ہو رہا تھا"

اچھا اچھا۔ پہلے یہ گھر بنا تو لو" ہشام کی امی نے کہا۔ بچے پھر مڑ گئے۔ کیسے اچھے لگتے ہیں یہ دونوں" بیگم افتخار کہہ رہی تھیں" میری تو یہی تمنا ہے کہ سارہ تمہارے ہشام کی دلہن بنے۔ اور میرے ہی گھر میں رہے جیسے ہم سب ایک ہیں۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک۔ پروردگار ان بچوں کو بھی یہی توفیق دے۔ کبھی ان میں پھوٹ نہ پڑے۔ جیسے ہم نہیں بچھڑے۔ اللہ کرے یہ بھی نہ بچھڑیں!"

ہشام نے پلٹ کر دیکھا"

اس کی ممی ہنس رہی تھیں" ارے بڑی آپا۔ ہشام اور سارہ تم سے دور

کتنے ہیں۔ ابھی چاہو ابھی دونوں کا نکاح پڑھا دو۔ اس میں انتظار کس بات کا ہے۔ ہشام کیا تمہارا نہیں ہے تمہی نے اسے پالا پوسا ہے اس پر سچ پوچھو تو پورا حق تمہارا ہی ہے !"

"اللہ کرے کہ میری مراد پوری ہو !"

ہشام جلدی سے آگے بڑھ کر سارہ کے پاس جا بیٹھا اور سرگوشی میں بولا:

تم نے سنا، چچی اماں کیا کہہ رہی ہیں؟"

نہیں" سارہ نے کالی کالی پلکیں جھپکائیں:

وہ مسکرایا: کہہ رہی ہیں کہ ہشام کا بیاہ سارہ سے کر دیا جائے!"

سچ سچ!!" چھ سات برس کی بھولی بھالی بچی نے خوش ہو کر کہا:

ہاں!" میں نے سنا جو ہے ابھی ابھی" بارہ تیرہ سال کے ناسمجھ لڑکے نے بھی بے حد خوش ہو کر جواب دیا:

تم کر دگے مجھ سے بیاہ؟"

ضرور کر دوں گا۔ تم اتنی گوری گوری ہو۔ کتنی اچھی لگتی ہو۔ پھر تم دولہا بنو گے"

اور کیا:

گھوڑے پر بیٹھ کر آؤ گے کہ پھولوں والی موٹر میں؟"

گھر کی تعمیر کا کام رک گیا۔ اور مستقبل کے معمار اپنے گھر کا نقشہ تیار کرنے لگے :

میں کیا جانوں۔ مجھے گھوڑے پر بیٹھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ مگر تم بتاؤ۔ میں کا ہے میں بیٹھ کر آؤں؟"

"موٹر میں۔ لال لال موٹر میں۔ اسے موتیے کے پھولوں سے خوب سجانا۔

اپنی غندوا باجی کا دولہا کتنی اچھی موٹر میں آیا تھا۔ اور سنو۔ بیاہ میں خوب سے باجے ضرور بجوانا "
" تو بھئی۔ باجے تو بجیں گے ہی۔ جب باجے نہ بجیں تو بھلا کہاں بیاہ ہوتا ہے۔ بہت خوب سارے باجے لاؤں گا۔ اچھا؟ "
چمکدار شیروانی پہنو گے ؟ "
ہاں " " اور تم ؟ "
" میں بھی غندوا باجی کے سے خوب لال لال رم جھم کرتے کپڑے پہنوں گی۔ ہاتھ پیروں میں مہندی لگاؤں گی۔ بہت سے چھم چھم کرتے گہنے پہنوں گی۔ ممی کی صندوقچی میں جو ٹیکہ رکھا ہے نا۔ تم نے دیکھا ! "
ہاں ہاں۔ جس میں بہت سے نگ جڑے ہیں ؟ "
وہی۔ میں اسے ماتھے پر سجاؤں گی۔ اور پھر تمہاری دلھن بن جاؤں گی۔
مگر " وہ اچانک گال پھلا کر روٹھ گئی "
کیا ہوا ؟ " ہشام گھبرا گیا "
تم اچھے دولھا نہیں ہو ! "
" اچھا دولھا نہیں ہوں ؟ " ہشام حیران رہ گیا "
نہیں۔ تم ہماری چوٹی کھینچ لیتے ہو۔ ہم اتنے اچھے بال بناتے ہیں تم بگاڑ دیتے ہو۔ گڑیوں کی شادی کے بتاشے اور مٹھائی کھا لیتے ہو "
پھر تم بھی تو میرے کاٹ کھاتی ہو "
" واہ شاہی بھیا واہ۔ کہیں دولھا دلھن بھی آپس میں لڑتے ہیں ! "
اچھا سائرہ۔ میں اب کبھی تمہاری چوٹی نہیں کھینچوں گا۔ کبھی تمہاری گڑیا کی شادی کی مٹھائی نہیں کھاؤں گا۔ لو لو۔ اب تو میں اچھا ہوں نا ؟ "

ہاں" وہ مسکرائی "اب میں بھی تمھیں نہیں کاٹوں گی"

معاہدہ بڑا پختہ اور زبردست تھا مگر زیادہ دن چلا نہیں۔ ایک مرتبہ اس کی خلاف ورزی ہوئی اور پھر دونوں فریق ایکبار پھر جانی دشمن بن گئے۔ دشمنی کی خلیج وسیع ہوتی چلی گئی۔ اور عمروں پہ محیط ہو گئی"

سارہ کے ذہن میں بچپن کی بات تھی ہی نہیں۔ یا وہ ایسا ظاہر کرتی تھی کہ وہ سب کچھ فراموش کر چکی تھی!"

لیکن ہشام کے دماغ سے بچپن کا سہانا معاہدہ نہ نکل سکا۔ بلکہ وہ تو ہر گزرنے والے دن کے ساتھ تازہ اور جوان ہوتا رہا۔ اظہار اس نے کبھی کبھی نہیں کیا۔ لیکن وہ خیال جو ہزار پا کی طرح پنجے گاڑ دے اس کے ذہن سے چمٹا ہوا تھا۔ وہ اسے کھرچ کے پھینک بھی نہ سکا!"

اور پھر یہ حادثہ بھی ہوا کہ۔ آگے چل کر ہشام نرا بد شوق۔ کند ذہن اور جاہل نکلا۔ جبکہ سارہ نے اچھی خاصی تعلیم حاصل کر لی تھی۔ اس کے حوصلے بڑے تھے!۔ ہشام کی ممی بے چاری اپنی جگہ چور بن کر رہ گئی تھیں۔ کس منھ سے سارہ کو بہو بنانے کا خیال ظاہر کرتیں۔ ہشام کو البتہ خوب رگید کر رکھ دیا تھا۔ خوب سرمارا تھا۔ ہزار سرزنش کی تھی۔ غیرت اور جوش دلایا تھا۔ مگر وہ تو دریا کا وہ پتھر تھا۔ جسے سرکش موجیں لاکھ کوشش کریں۔ اپنی جگہ سے جنبش نہ دے سکتی تھیں۔ آخر کار تھک ہار کے وہ بے چاری آپ خاموش ہو گئیں"

اور سارہ کی امی تو بڑی آزردہ رہا کرتیں۔ انھیں ہشام بہت پسند تھا۔ صورت شکل کا اچھا۔ ہاتھ پاؤں کا ٹھیک، چال چلن درست۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اپنے حسب نسب کا۔ چھان بین کی ضرورت نہیں۔ اور پھر یہ کہ اپنے گھر کا لڑکا۔ سارہ کو رخصت کرا کے کہیں لے نہ جاتا۔ بس وہ باپ کے گھر

سے چل کر سسرال کے گھر میں جا بیٹھتی۔ مگر اب تو ساری امیدوں پر برف کا پانی پڑ گیا تھا کہ ساری امیدیں یخ بستہ ہو کر رہ گئی تھیں!"

صورتِ حال یہ ہو گئی تھی کہ عزیزہ بیگم اپنی طرف سے عمدہ پیغاموں کی نشان دہی کرتیں!۔ اور انہوں نے اپنی جٹھانی سے وعدہ بھی کر رکھا تھا کہ اگر انکے میکے میں کوئی بھی اچھا لڑکا نکلا تو وہ اسے سامرہ کے لئے رجسٹرڈ کر لیں گی"

اور ہشام تھا کہ لڑکیوں کے ککڑی کی بیل کی طرح بڑھ جانے کی مثال کو شکست دے رکھی تھی!" ابھی گویا کہ گھٹنے برابر بچہ تھا۔ اور دیکھتے دیکھتے باپ اور چچا کے قد سے مٹھی بھر اونچا نکل گیا۔ کبھی تو یوں لگتا کہ جیسے بڑے بھائی سے بھی کچھ نکلتا ہوا ہو۔ چنانچہ مذاق میں منصور اسے اونٹ اور تاڑ کا درخت کہتے تھے۔ افتخار صاحب کا خیال تھا کہ ہر روز صبح کو جب وہ سو کر اٹھتا ہے۔ ایک انچ اور لمبا ہو جاتا ہے!۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس کی جہالت و آب حماقت میں بھی ایک لٹیا بھر اضافہ ہوتا ہے!"

خدا خدا کر کے عید کا دن آ ہی گیا۔ قدرتی طور پر ایسے خاص دنوں میں گڑبڑ تو ہوتی ہی ہے۔ لیکن اس روز تو سامرہ نے اپنی ضد میں عید کو ستیاناس کر کے رکھ دیا۔ وہ اپنے کمرے کی تھی۔ نہ نہائی دھوئی نہ بال بنائے۔ چار روز پہلے کے پہنے کپڑے لادے گھومتی اور جان بوجھ کر اپنی امی کے سامنے سے گزرتی رہی۔ مگر انہوں نے کوئی نوٹس نہ لیا۔ بلکہ ایک دفعہ پھنکار کر جو چہرہ پھیرا تو سامرہ سرد ہو کر اپنے کمرے میں آ بیٹھی۔ مسرور اس کی خوشامدیں کر کر کے ہار گئی۔ پھر بولی"

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں کبھی کپڑے نہ بدلوں!"

نہیں۔ تم جاؤ۔ خوب اچھے اچھے کپڑے پہنو اور جاؤ گلے ملو سب سے۔ میں تو قسم سے آج باہر ہی نہ نکلوں گی!" سارہ کے گال پھولے ہی رہے۔

ہائے سارہ۔ تم خالہ بی کی ناراضگی مول لے رہی ہو۔" مسحور بولی "ایسا نہ ہو کہ کہیں ــــــ"

دفعتہً بیگم افتخار نے سارہ کو آواز دی۔ وہ اچھل پڑی۔ اور ڈری دبکی چوہیا سی باہر نکلی۔ آج ان کا موڈ جانے کیوں آف تھا۔ سارہ کو دیکھا اور برس پڑیں۔

"میں کہتی ہوں۔ آخر ہوا کیا ہے۔ عید کے دن نحوست پھیلا رہی ہو۔ جاؤ نہا دھو کر کپڑے پہنو۔ اور خبردار میرے سامنے پھر دوپٹہ کا نام لیا تو رہے سہے کپڑوں میں بھی آگ لگا دوں گی!۔ لڑکی۔ مجھ سے مقابلہ کر رہی ہے کیا۔ پر نکل آئے ہیں۔! لو اور سنو۔ ماں کو سزا دے رہی ہیں۔ آخر میری ماہرہ بھی تو ہے۔ اللہ رکھے بچوں والی ہو گئی ہے مگر اب بھی یہ حال ہے کہ میرے منھ سے بات نکلی نہیں کہ میری بچی پوری کرنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ دل سے دعائیں نکلتی ہیں اس کے لئے۔ بھی تو سسرال میں راج رچ رہی ہے۔ ساس سسر کی آنکھوں کا تارہ بنی ہے۔ ان بیجی کو دیکھنا ہے کہ پرائے گھر جا کے مجھے کیا، تھکواتی ہیں۔"

"ثریا پا۔ کوسئے تو نہیں" پھوپھا ابا نے سفارش کی "بچی ہے۔ بچی ہے۔ آپ سے دُلار نہ کرے گی بے چاری تو پھر اور کون ہے؟ مجھے یاد آ رہا ہے کہ بچپن میں ایک دفعہ میں بھی اماں مرحومہ سے ایسی ہی ضد کر رہا تھا کہ۔ کہ پتہ نہیں کس چیز کا مطالبہ کر رہا تھا۔ شاید۔ یہ کہہ رہا تھا کہ فاتحہ سے پہلے مجھے

تل دیں۔ ارے ہاں۔ میں نے کہا۔ سلیمہ۔ بکروں کے گلے پر تو منصور میاں نے اللہ اکبر کہہ کر چھری چلادی ہے اگر قصائی نے کلیجی نکالی ہو تو بھائی ذرا تھی سی بوٹیاں تل لاؤ۔ اب تو بھوک کے مارے آنتیں اینٹھی جارہی ہیں۔ آج ناشتہ بھی نہیں ہوا ؛

پھوپھی بگڑ گئیں۔ اچھا بدنام کرتے ہیں آپ۔ اچھے ناشتہ تو آپ نے دوسرے دنوں سے زیادہ کیا ہے۔ چار پراٹھے ڈبل ٹوسٹ دو پیالی کافی۔ پھر ابھی سے کیسے آنتیں اینٹھنے لگیں۔ سر میں میرے درد ہو رہا ہے۔ میں کلیجی تلنے کی نہیں ؛

سارہ اپنے کمرہ میں آئی۔ ڈانٹ کھا کر اس کا موڈ بھی تباہ ہو گیا تھا۔ غصے کے مارے الماری کھسوٹ کر رکھ دی !۔ اور سارے کپڑے فرش پر گرا دیے ؛

، کیا ہوا بھائی۔ بے جان چیزوں پر کیوں غصہ اتار رہی ہو ؛ مسعود بولی۔

سارہ بھن بھنائی ؛ دوپٹے کا جنازہ تو نکل ہی گیا تھا۔ اب دیکھو کم بخت ٹرے شرٹ کا بھی پتہ نہیں۔ جانے کہاں غارت ہو گیا ؟ ؛

دوسرے پہن لو ! ؛ مسعود نے رائے دی ؛

دفعتہ دالان میں ملے جلے قہقہے گونج اٹھے۔ ان دونوں نے بھی باہر جھانکا اور پھر بے ساختہ ہنسی نہ روک سکیں !۔ ان سب کے سامنے ہشام عجیب مضحکہ خیز ہیئت کذائی میں کھڑا تھا ! ؛

، ارے۔ جوکر نظر آرہے ہو ؛ باجی ہنسی پر قابو نہ رکھ سکیں ؛ یہ سوانگ کیا رچایا ہے ؛

ہشام پتلون پر پھوپھا ابا کی زبردست شیروانی پہنے کھڑا تھا۔ شیروانی ایسی تھی کہ شاید اس میں چار پانچ ہشام سما جاتے !۔ آستینیں انگلیوں سے

بالشت بھر آگے جھول رہی تھیں ! ۔ اس کی ٹھوڑی کالر میں کھو گئی تھی ! ۔ اور دامن گھٹنوں سے نیچے تک آ گئے تھے ! "

"کیوں ۔ کیا ہوا ۔ میں اس شیروانی میں اچھا نہیں لگ رہا ہوں کیا ؟" وہ سنجیدگی سے بولا ۔

"توبہ کرو ۔ یہ سوجھی کیا ہے ؟" باجی بولیں " نہ نماز پڑھی ۔ نہ کسی سے گلے ملے ۔ یہ شامیانہ لاد کر چلے آئے ۔ جاؤ ۔ اتارو پھوپھا ابا کی شیروانی !"

" ہمیشہ احمق ہی رہے گا !" ابصاد صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا ۔

"اچھا ۔ میں ان لوگوں سے مل آؤں تو اتار دوں گا !" ہشام نے کہا ۔ اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا سارہ کے کمرے تک آیا ۔ لڑکیاں بھاگ کر بیچ کمرے میں آ گئیں ۔ دوسرے لمحے ہشام نے پردا سرکایا اور اجازت لئے بغیر کمرے میں آیا ۔ سارہ ہنسی کے مارے بیقرار ہو کر صوفہ پر گری اور مسرور نے آنچل منہ میں ٹھونس لیا ۔"

" اُوہو ۔ کیا میں سچ مچ خوب صورت نہیں لگ رہا ۔" ہشام نے ان کی ہنسی سے محسوس ہو کر کہا ۔"

"بھالو ۔" سارہ نے کہا ۔"

"شکریہ ۔" اس نے برا مانا ۔ اور غصے ہو کر شیروانی اتار کر صوفہ پر پھینکی اور دروازے کی طرف مڑتا ہوا غصیلے لہجے میں بولا ۔"

"اچھی بات ہے ۔ جا رہا ہوں ۔ اکیلے میں خوب ہنسئے ۔ خدا حافظ ۔ عید مبارک اور ایک جھٹکے سے پردہ سرکا کر باہر نکل گیا ۔"

لباس وغیرہ تبدیل کر کے جب دونوں اپنے بزرگوں سے ملنے اور سلام کرنے کے لئے باہر آ رہی تھیں ۔ تب مسرور بولی ۔"

اس کھال کو بھی لیتی چلو ۔ کیا یہ یہیں پڑی رہے گی ! ؛

پھوپھا آبا کی ہے ۔ لاؤ میں اٹھا لوں ! ؛ سائرہ نے کہا ؛

اچانک مسرور ہلکے سے چیخ پڑی ۔ وہ تخریباً شیروانی کی جیبوں کا جائزہ لے رہی تھی !۔ اور دھک سے رہ گئی تھی ۔ سائرہ نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں اس کا اپنا نیا شرٹ اور اس کا ہم رنگ بڑا نفیس اور خوبصورت نیا دوپٹہ تھا ۔ مسرور متحیر تھی ۔ اور سائرہ تو جیسے بت بن گئی تھی ۔ پھر وہ سنبھلی اور جھپکے سے دونوں چیزیں مسرور کے ہاتھ سے لے لیں ۔ اور بڑبڑائی ؛

" تو ۔ یہ بہانہ بنایا تھا ۔ شیروانی اسی لئے پہنی گئی تھی ۔ اس کی بڑی بڑی جیبوں میں یہ چیزیں چھپائی جا سکیں ۔ مگر ۔ یہ کتنی بری بات ہے ۔ وہ کب میرے کمرے میں آئے تھے ۔ کب شرٹ نکال لے گئے ۔ اُف توبہ ! ؛ نہ جانے اس کے دل میں کیسے کیسے طوفان مچل رہے تھے کہ ان کی لہروں کا عکس اس کی آنکھوں میں بھی مچل رہا تھا ! ؛

پھر وہ ہنس پڑی ا ور بولی ـــــ ؛ اب یہی پہنوں گی ؛ اور بے حد سرور سی پردے کے پیچھے چلی گئی ! ؛

مسرور کو جیسے سکتہ سا ہو گیا تھا ! ۔ اک ذرا سی بات نے کتنی تلخ حقیقت ؛ کا روپ دھار لیا تھا اور کتنی تکلیف دہ بن گئی تھی ۔ مسرور کا دل پاتال میں اترنے لگا ! ۔ اچانک وہ خود کو سائرہ سے بہت کمتر اور بے حقیقت سمجھنے لگی ۔ جیسے کسی نے اس کے منہ پر طمانچہ مار دیا ہو ۔ اس کے سر سے محبت کا آنچل سرکا لیا تھا ۔ اس کو زندگی کی کڑی دھوپ میں تنہا کھڑا چھوڑ دیا تھا ۔ ٹوٹے دل کی تیز نوکیلی کرچیاں اس کے خیالوں کو زخمی کرنے لگیں ۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا ۔ وہ اس قدر حساس کیوں ہو رہی تھی ؟ ؛ وہ یوں اندھا دھند کیا سوچنے

لگی تھی !۔ کیوں۔ وہ اپنے دل کو دکھا رہی تھی۔ ہشام نے کیا ہی کیا تھا۔ ساحرہ عرصے سے ایک دوپٹہ کو رو رہی تھی۔ وہ لے آیا۔ ممکن ہے کہ اس نے ساحرہ کو اس سے پہلے بھی کچھ خرید دیا ہو۔ دونوں پیدائش کی گھڑی سے ساتھ ساتھ ہی رہے ہیں ! جانے ان کا معصوم شباب ایسے کتنے خوبصورت رازوں کا ضامن ہے۔ دونوں چچازاد بہن بھائی ہیں۔ اور مسعود تو ان کی کچھ بھی نہیں۔ پھر۔ وہ کیا چاہتی ہے ؟ !

اسے خود بھی پتہ نہ تھا۔ وہ اپنی باتوں سے۔ پلکوں کے جھپکانے سے۔ مسکرانے کی ادا سے۔ ہشام کو کون سی بات کا یقین دلانا چاہتی تھی۔ اور ناکام رہی تھی۔ وہ چاہ رہی تھی کہ۔ اسے کوئی گوشۂ تنہائی ملے اور وہ خوب پھوٹ پھوٹ کر رو دے ...... !

ساحرہ پھول کی طرح کھلی ہوئی اس کے پاس کھڑی تھی ! گلابی پھولدار لباس میں لپٹی وہ خود ایک تر و تازہ شبنم آلود پھول لگ رہی تھی !۔ اور۔ وہ قاتل دوپٹہ۔ جو ساحرہ کے نازک کندھوں پر پڑا تھا۔ جو اس کے سیدھے سادے حسن میں چار چاند لگا رہا تھا۔ وہ دوپٹہ جو زبان حال سے اس پر ہنس رہا تھا۔ یکبارگی ایک بھیانک کفن بن گیا۔ جس نے مسعود کے نئے نویلے ارمانوں کی لاش کو ڈھانپ دیا تھا۔ یکبارگی آنسوؤں کا سمندر اس کی حلق میں آ کر ٹھہر گیا۔ مگر پلکیں نم ہو گئیں آنسو گالوں پر بہنے اور اپنی آب کھونے پر تیار نہیں تھے۔ اس نے سر جھکا لیا اور ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

" چلو چلیں " ساحرہ بے حد خوش تھی "

مسعود کے لبوں پر ایک آہ مچلی۔ دل میں ایک ٹیس اٹھی۔ اس نے جلدی

سے رخ پھیر لیا اور کھانس کر بولی "چلو!"

ہشام جانے کیوں وہیں پھوپھا ابا کے پاس بیٹھا رہ گیا تھا۔ ان سے بکواس کر کے ہنس رہا تھا!"

سارہ خوب اترا کر اس کے سامنے سے چلی گئی۔ اسے سلام تک نہ کیا۔ نہ اسکا شکریہ ادا کیا۔ اور نہ ہشام نے کچھ کہا۔ بس ایک مرتبہ سارہ کو دیکھا اور پھر پھوپھا ابا کی طرف متوجہ ہو گیا!"

جی ہاں۔ جی ہاں" وہ کہہ رہا تھا" اسی طرح کا ایک شعر میں آپکو سناؤں۔ ٹھہرئیے۔ ذرا سوچ لوں! "ابھی سناتا ہوں!"

مسعود نے ہشام کی ایک چھلکتی ہوئی نگاہ میں جانے کون کون سے گہرے جذبے کون سے طویل پیغام، اور کتنی ان کہی باتیں دیکھ لی تھیں۔ وہ ایک نگاہ صدیوں کے عرصہ پر محیط تھی۔ کتنے فاصلے سمٹ آئے تھے۔ ایک دفعہ پلکیں اٹھانے اور جھکانے میں!۔ کتنے بے پناہ جذبے چیخ اٹھے تھے اس پل بھر کی خاموشی میں۔!

اسے سارہ ایک فتح یاب جنرل معلوم ہو رہی تھی۔ مفتوح کو صرف ایک قاتل تبسم سے پامال و برباد کرنے والی۔ اور۔ وہ خوشنما سا باریک پھولدار دوپٹہ۔ وہ تو جیسے مسعود و سارہ کے درمیان دیوار چین بن گیا تھا"

سارہ اپنی امی کے پاس تھی اور ان سے خوش ہو ہو کر کچھ کہہ رہی تھی۔ نجانے کیا۔ بس اس کے پتلے پتلے گلابی لب متحرک دکھائی دے رہے تھے۔ اور ایک دبیز دھند جو مسعود کی آنکھوں کے آگے چھائی ہوئی تھی اسنے سارہ کے الفاظ روک لئے۔ بس وہ اسم بامسمیٰ بھی ایک کرسی پر بیٹھی بے معنی نظریں ادھر ادھر دوڑا رہی تھی"

اچانک ہشام نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ اور بولا" واہ پھوپھا ابا واہ۔ خوب

ذرا ایک مرتبہ پھر تو پڑھئے وہ شعر! ۔ سبحان اللہ! "
چنانچہ پھوپھا ابا نے مزے لے کر پھر پڑھا! "

بدصورتی یہ شیخ ہماری نہ جائیو
یہ وہ جامہ ہے جس کا نہیں الٹا سیدھا

انصار صاحب کے کان میں بھنک پڑ گئی۔ چپکے سے اپنی بھابی سے بولے "بڑی آپا۔ ان دو کھلونوں سے آپ کا جی تو بہت بہلتا ہو گا"

"اے ہاں میاں کی باتیں۔ وہ ادھر نہیں آتے تو میں چلی جاتی ہوں حلیمہ کی طرف" وہ ہنس دیں۔

پھوپھی اماں اور نجمہ بھابی کچن کی طرف سے آئیں۔ نجمہ نے ساس کی عطا کردہ نئی ساڑھی پہن رکھی تھی اور ہلکے پھلکے خوشنما گہنے پہنے بہت پرکشش اور خوبصورت نظر آرہی تھیں۔ انہوں نے ایک بڑی سی ڈش ہاتھوں پر سنبھال رکھی تھی۔ اسے میز پر رکھتی ہوئی بولیں:

"پھوپھا ابا۔ آئیے۔ آپ کلیجی کھانے کی فرمائش کر رہے تھے۔ میں بہت سی تل کے لے آئی ہوں!"

"بیٹی دسترخوان بچھا کے تخت ہی پر رکھ دو۔ ہم سب یہیں کھائیں"

انصار صاحب نے کہا: میں سچ کہتا ہوں کہ دسترخوان ہی پر کھاتے میرا پیٹ خوب بھرتا ہے۔ میز کرسی پر نہ تو نیت بھرتی ہے نہ پیٹ۔! مگر۔ یہ کیا۔ صرف کلیجی تل لائی ہو۔ روٹیاں نہیں ہیں ساتھ میں!"

اس وقت کی یہی ڈش ہے چھوٹے چچا" وہ بولیں۔

بی بی۔ میرا معدہ تو مرا قرالاپ رہا ہے!" انصار صاحب نے کہا: "صبح کے دو توس جو مکھن اور ٹھنڈی کافی تو اس دوڑ دھوپ میں نجانے کہاں گئی!"

ڈلیش جوں کی توں بند رکھئے۔ بھابی۔ میں تنوری روٹیاں لے کے ابھی آیا۔" ہشام بولا۔ چنانچہ افتخار صاحب نے روٹیوں کی قیمت دینے کے لئے جیب ٹٹولی۔ ہشام نے انہیں روک کر کہا۔" جی نہیں۔ پیسے ہیں میرے پاس۔ میں ابھی لے کر آیا۔"

اور سچ مچ دس منٹ بعد وہ ایک بڑا سا بنڈل لئے آموجود ہوا۔ بڑے تختوں پر سرخ دستر خوان بچھایا گیا۔ اور پورے چھ بکروں کی کلیجیاں نہایت خوشبودار تلی ہوئی پلیٹوں میں نکالی گئیں۔ گھر کے سارے افراد آ بیٹھے۔ اور بے حد خوشگوار ماحول میں عمدہ ناشتہ ہونے لگا!"

اللہ رکھے میری دلھن کے ہاتھ میں مزہ خوب ہے۔" بیگم افتخار بڑی محبت سے اپنی بہو کو دیکھتی ہوئی بولیں۔" اب یہ میری عادت بگاڑ دیں گی۔ جب تک ان کے ہاتھ کی پکی کوئی چیز دستر خوان پر نہ ہوگی۔ میرے حلق سے نوالہ نہ اترے گا۔ رحیمن بوا بے چاری تو اب سچ مچ ٹھوپ کے رکھنے لگی ہیں۔"

رحیمن بوا اور میاں رمضانی دوسرے ملازمین کے ساتھ تخت ہی کے ایک گوشے میں موجود تھے۔ افتخار صاحب کا حکم تھا کہ اگر موقعہ ملے اور ملازموں کو فرصت نصیب ہو تو خاص خاص موقعوں پر انہیں بھی اپنے ساتھ دستر خوان پر ضرور کھلانا چاہئے۔ اور یوں تو رحیمن بوا ہمیشہ اپنی بیوی جی کے ساتھ ہی کھاتی پیتی تھیں۔ وہ بولیں۔"

" بیگم کیا کریں ہم۔ بڈھے ہوگئے ہیں۔ سوجھتا الگ نہیں ہے۔ پرسوں نرسوں ارہر کی دال اور کوفتوں میں دوہرا دوہرا نمک جھونک دیا تھا۔ غارت ہوگیا تھا سب کچھ۔ اب آپ ایک خانساماں رکھ لیجئے اور ہم کو بن جن (پنشن) پر علٰحدہ کیجئے۔"

نا ممکن ہے جیمن۔ آپ برا مت مانئے" ہشام بولا" اس وقت جو چیز سرے کی بنی ہے۔ اس میں بھابی کے خوش ذائقہ ہاتھ کا کمال نہیں ہے" بلکہ یہ تو دولھا بھائی کے نوٹ کی برکت ہے !!"

ایثار احمد چونکے" میرے نوٹ کی برکت۔ وہ کیسے۔ میں نہیں سمجھا"

ارے وہ" منصور بھی چونکے" کل پرسوں تم اپنا سو کا نوٹ ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ اسی چوٹے کو ملا ہے شائد"

"کیوں میاں ؟" ایثار نے ہاتھ روک کر اسے گھورا"

بالکل صحیح ہے" ماہرہ بولیں" یہی بیٹھا تھا آپ کے پاس۔ جب آپکا نوٹ کھویا ہے !"

اے بیٹے اب تم اللہ نہ کرے چوریاں بھی کرنے لگے ہو" بیگم افتخار نے بڑی حیرت سے کہا"

میرا غم تازہ ہوگیا۔ نوالے حلق میں پھنس رہے ہیں" ایثار بولے۔ ہشام بے تحاشہ ہنس رہا تھا" جناب دولھا بھائی صاحب۔ آپ کو میں تبھی سے مسلسل دعائیں دیئے جا رہا ہوں۔ آپ اتنے بے خبر معصوم اور نیک نہ ہوتے تو اسوقت بھلا ہم یہ مزیدار ناشتہ اُڑا سکتے ؟۔ نا ممکن"

چرایا کیسے ؟" ایثار احمد نے حیرت سے پوچھا"

چرانا کیوں" ہشام بولا" خدانخواستہ آپ نے مجھے چرا چکا سمجھ رکھا ہے۔ واہ"

تو پھر" منصور نے کہا"

ارے وہ نوٹ تو خود دعوت نظارہ دے رہا تھا" ہشام نے کہا" جیب سے آدھا اوپر نکلا مسکرا مسکرا کر مجھے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ننھا بچہ دیکھتا ہے اور

میں اسے گودی میں لے لیتا ہوں۔ بس اسی طرح ـــــ"!
سمجھ گیا" ایثار احمد نے سر ہلا کر کہا "جب تم مجھ پر پھسل پڑے تھے۔ مگر بیٹے ہضم نہ ہو گا وہ نوٹ۔ میں تم سے رکھوا لوں گا"
فی الحال تو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر سب کو ہضم ہو رہا ہے" ہشام ہنس پڑا۔
تبھی میں کہوں۔ اس کنگلے کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئے" پھوپھی بولیں۔
اب بھائی نہایت زوردار کافی بھی بنوا دو!" پھوپھا نے اپنے عظیم الشان پیٹ پر ہاتھ پھیرتے اور گونجیلی ڈکار لے کر بولے "بس ناشتہ مکمل ہو جائے"
ساجرہ!" یکایک ہشام نے اسے مخاطب کیا"
وہ ٹکٹکی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ بولا "کھانے کے بعد نہایت ادب سے جھک کر دولہا بھائی کی خدمت میں تسلیمات عرض کرنا اور خوب بہت سا شکریہ ادا کر دینا تمہارا دوپٹہ بھی چوری کے اُن ہی پیسوں سے آیا ہے!"
"مجھے پہننے سے مطلب۔ چوری سے آیا ہو یا سینہ زوری سے۔ شکریہ آپ ہی ادا کر دیجئے" ساجرہ بولی"
بات پکی ہے" عقیدت سے ہشام نے سر ہلایا پھر بولا۔ دولہا بھائی آپکا بہت بہت شکریہ!"
"بچو۔ اکیلے میں ملو گے تو کچومر نکالوں گا۔ یاد رکھو گے عمر بھر۔ دھری رہ جائیں گی مکاریاں" انہوں نے دانت پیسے!"
نجمہ کافی بنانے چلی گئیں۔ ساجرہ اور مسعود برتن بڑھانے اور دسترخوان سمیٹنے میں لگ گئیں!"
اور تینوں خواتین گوشت کے حصے بخرے کرنے اور رشتے داروں میں بھجوانے کے لئے اٹھ گئیں۔ ابھی سے دروازے پر مسکینوں کی بھیڑ لگی تھی چنانچہ منصور

چوکیدار کے ساتھ ادھر نپٹنے چلے گئے !"

ہشام برآمدے میں آ کھڑا ہوا ۔ نجانے کیوں بڑا مسرور ہو رہا تھا ۔ اسکے لبوں پر شریر سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی "

سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے ۔ سامرہ اس خیال سے بیحد خوش تھی کہ اب کل سے پھر کالج جائے گی ۔ وہ اپنے کپڑوں اور کتابوں کی درستگی میں مشغول تھی "

اگر کوئی بری طرح بیزار، اکتایا ہوا اور دل برداشتہ تھا تو وہ مسحور تھی اس نے خواہ مخواہ ایک روگ اپنی جان کو لگایا تھا اور پریشان تھی ! ۔ وہ دل کو سکون دینے کے لئے برآمدے میں نکلی ۔ یکایک پچھلی اداسیاں اور قنوطیت جو اس کی فطرت ثانیہ بن چکی تھیں ۔ پھر اس پر عود کر آئی تھیں ۔ اس کا اثر چہرے پر ہو رہا تھا !" لب خشک پپڑائے ہوئے ۔ آنکھوں سے غم عیاں ۔ خاموش گم صم سی !"

اس نے ہشام کو دیکھا ۔ منڈیر پہ دونوں ہاتھ ٹیکے نیچے جھانک رہا تھا ۔ جہاں ہوا کے شریر جھونکوں نے گلاب کے تختوں پر ہلچل مچا رکھی تھی !"

آہٹ سن کر ہشام نے رخ پھیرا ۔ اور بڑی مستعدی سے بولا " جناب عید مبارک ۔ اُف فوہ ۔ آپ اب نظر آئی ہیں ۔ شرمندہ ہوں ۔ مبارکباد باسی ہو گئی ہے ۔

شکریہ ۔ آپ نے دی تو !" مسحور بولی "

جی ہاں ۔ وہ تو قاعدہ ہے " ہشام نے قابلیت سے کہا "

" اُف ۔ اللہ " مسحور نے کہا " آم کے درخت پر وہ طوطا دیکھا آپ نے ۔ کتنا پیارا لگ رہا ہے ۔ سبز جسم ۔ سرخ چونچ ۔ مجھے طوطا بے حد پسند ہے "

مجھے یہ طوطے مینے نہیں پسند " ہشام نے جواب دیا " بے کار کی ٹائیں ٹائیں

لگانے ہیں۔ واہیات۔ مہمل!"

"تو پھر۔ پرندوں میں آپ کو کیا پسند ہے؟" مسحور نے پوچھا۔

"چیل!"

"کیا؟"

"جی ہاں۔ جب نہایت اونچائی پر پہونچ کر اپنی ہریا آواز میں کوکتی ہے تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میری روح بھی اس آواز کے تال سُر پر ناچنے لگی ہو۔ واہ واہ۔ عجیب حال ہو جاتا ہے میرا۔ میں جھومنے لگتا ہوں۔ میرے ساتھ ساتھ ساری کائنات ڈانس فرمانے لگتی ہے۔ یہ بھی تو سوچئے کہ چیل ایک دولتمند اور سرمایہ دار پرندہ ہے۔ آپ نے سنا بھی ہو گا کہ چیل کے بچے جب تک سونا نہ دیکھ لیں۔ آنکھیں نہیں کھولتے۔ اور انسانوں کے بچے۔ لاحول ولاقوۃ۔ چاہے انہیں کوئی عمر بھر سونا نہ دکھائے۔ پیٹ سے آنکھیں کھول دیتے ہیں۔ ہنھ"!

مسحور سوچ ہی نہ سکی کہ وہ اسے بیوقوف بنا رہا تھا یا خود بن رہا تھا۔ کیونکہ اس نے سوچا۔ ہے ہی کندۂ ناتراش۔ عقل کا دشمن، بے تکے اشعار پڑھتا ہے۔ شائد سچ ہی کہہ رہا ہو۔! لیکن اسے اس بے چارے پر ترس آنے لگا!" اس کے محسوسات کتنے کند اور غیر تربیت یافتہ ہیں۔ ویسے یہ آدمی ہیرا ہے۔ کاش کسی نے اسے تراشنے اور جلا دینے کی کوشش کی ہوتی"

وہ ترحم آمیز نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ غریب۔ صرف جانوروں کی طرح چارہ کھا کر پہلوان ہوا جا رہا ہے۔ اور کسی کام کا نہیں۔ لباس تک سلیقہ سے پہننے کا ہوش نہیں۔ کاہی رنگ کے پتلون پر ڈھیلا ڈھالا کرتہ لاد رکھا ہے۔ بھلا یہ موسم کہیں ململ کے کرتے کا ہے؟"

اس نے ایک لمبی سانس کھینچی اور بولی "ہشام صاحب۔ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اندیشہ تھا کہ کہیں آپ بُرا نہ مانیں۔ ویسے آپ کہیں تو ——!"

"بُرا ماننے کی بات ہوگی تو میں ضرور بُرا مانوں گا" اس نے صاف دلی سے کہا "مگر آپ فرمائیے۔ شائد آپ کی بات بُری نہ لگے۔ ویسے آپ اس چیز یل بھسار؟ کا سلوک دیکھتی ہیں۔ اول نمبر کی شیطان کی خالہ ہے وہ۔ آخر کچھ تو بڑا ہوں میں اس سے۔ مگر نہیں۔ میرا مذاق اڑاتی ہے۔ مجھے جاہل بناتی ہے۔ خود جیسے بڑی مڈل پاس ہے۔ ایک دن میں اس کی ہڈی پسلی ایک کر دوں گا انشاء اللہ"

گفتگو کا سرا مسحور کو مل گیا۔ بولی "یہ بار بار آپ ہر ایک کو مڈل پاس مڈل پاس کیوں کہا کرتے ہیں۔ بہت بڑا درجہ سمجھتے ہیں آپ مڈل کو؟"

"قطعی۔ انورسیٹی کا سب سے بڑا درجہ کیا ہوتا ہے؟" آنکھیں پھیلا کر اس نے پوچھا۔ اور نہایت بھولپن سے مسحور کو دیکھنے لگا!"

انورسیٹی نہیں۔ یونیورسٹی" مسحور نے جواب دیا "وہاں کوئی ایک بڑا درجہ ہوتا ہے جو میں گناؤں۔ درجنوں ہیں۔ مگر آپ آئندہ سے مڈل کا نام لینا چھوڑ دیجئے"

زبان کی نوک پر بھی بے آؤں تو گناہ گار۔ ہاں۔ آپ کیا کہنا چاہتی تھیں۔

"میرے بُرا ماننے کی پرواہ کئے بغیر کہہ دیجئے!"

"سچ مچ؟"

"جی ہاں!"

"اچھا تو بیٹھ جائیے نا کہیں!"

ہشام حکم کی تعمیل میں اچک کر منڈیر پر بیٹھ گیا۔ لیکن اخلاقاً مسحور سے اتنا بھی نہ کہا۔ وہ تو اس کے لچے لچے کے گنوارپن پر گھٹ کھا کر رہی جا رہی تھی۔

لہذا کہے بغیر وہ بھی ایک اسٹول پر ٹک گئی۔ اور دو منٹ کی خاموشی منانے کے بعد بولی: "یوں تو مجھے آپ سے کچھ کہنے کا حق نہیں ہے۔ مگر اتنا پوچھنے کی اجازت دیجئے کہ آپ نے آگے کے لئے اپنا نصب العین کیا بنا رکھا ہے؟"

نصب العین؟۔ اس کا کیا مطلب ہے؟" ہشام نے پوچھا۔ سحور پیچ و تاب کھا کر رہ گئی:

"مطلب یہ کہ۔ ہر آدمی کا ایک مستقبل ہوتا ہے۔ آپ کا کیا ہے؟"

اچھا۔ وہ: لاپرواہی سے ہنس کر وہ بولا: میرا مستقبل تو بہت شاندار ہے۔ ابھی اس دن ممی کہہ رہی تھیں کہ میرے نام ایک مکان لکھ دیں گی۔ بھئی واہ۔ مزہ آگیا تھا۔ یعنی کہ مفت کا مکان۔ دوسرے لوگ کیا خاک چھانتے اور مٹی پھانکتے ہیں آپ کو معلوم ہے کہ ڈگری حاصل کرتے ہیں۔ روپیہ کمانے کے لئے۔ روپیہ جمع کرتے ہیں۔ مکان بنانے کے لئے۔ اسی میں نگوڑ ماروں کی آدھی عمر سرک جاتی ہے۔ مگر مجھے دیکھئے کہ اس قسم کی کوئی مار امار ی ہے ہی نہیں مزے سے بنے بنائے مکان میں بیوی بچوں سمیت جا بیٹھوں گا۔ کرایہ داروں کو بسا لوں گا۔ اور مرتے دم تک اطمینان سے کھاؤں پیوں گا!"

اف توہ۔ سحور نے تڑختا ہوا سر تھام لیا۔ پتھر ہے بالکل۔ اس سے پسینہ کیا نچڑے گا؟"

ہب۔ بیوی۔ بچے: وہ مری ہوئی آواز میں بولی: "پیسے کوڑی کے بغیر کہاں سے آئیں گے بیوی بچے؟"

یہ میں کیا جانوں: اس نے ہاتھ جھلائے اور بے ڈھنگے پن سے ہنسا: "میری ذمہ داری تھوڑی ہے یہ۔ ممی ڈیڈی جانیں! مجھے تو بس بیوی بچوں سے کام۔ بچے مجھے بے حد پسند ہیں۔ تبھی تو میں چاہتا ہوں کہ آپ کو گود لے لوں۔"

مگر وہ بھائی اتنے کنجوس مکھی چوس ہیں کہ اپنا ایک بچہ" تک مجھے دینے کو تیار نہیں۔
دیکھا نہیں آپ نے اپنے ایک حقیر سے نوٹ کے لئے ابھی کیا بسور رہے تھے۔ ہُنہ!"
مسحور دنگ تھی۔ تعجب ہو رہا تھا اسے۔ اتنا لمبا چوڑا آدمی ایسی باتیں کرنے لگے۔ اس کے ایک بھائی تھے۔ وہ اسی عمر کے تھے۔ لیکن تقریباً ڈاکٹری کورس کر چکے تھے اور نہایت سنجیدہ و متین آدمی تھے!"

دفعتہً وہاں سارہ آئی۔ کافی کی دو پیالیاں اس کے ہاتھ میں تھیں۔ ہشام کو دیکھ کر اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے"

لیکن سارہ کو دیکھ کر جو موہوم سی مسکراہٹ ہشام کے لبوں پر آئی تھی۔ وہ مسحور کی نظروں سے چھپی نہ رہ سکی۔ پھر کسی نے اس کے دل میں چٹکی لے لی۔ یہ جو کچھ جا رہا ہے۔ کیا بزرگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے؟ بھلا خالہ بی ایسے گنوار بیوقوف سے اپنی لڑکی کا ہے کو بیاہنے لگیں۔ پھر یہ سوچ کر اس کا دل بھی بیٹھنے لگا۔ اس کی امی ایسے احمق سے اس کا بیاہ کیوں کرنے لگیں؟"

پھر اسے روایتی طور پر سارہ سے بے حد جلن لگی۔ حالانکہ اس کا کوئی قصور نہ تھا۔ وہ شائد مسحور کے دلی جذبات سے بھی قطعی لاعلم اور بے خبر تھی قصوروار اگر تھا تو ہشام تھا۔ جس نے مسحور سی پرکشش لڑکی کو نظر انداز کر کے سارہ جیسی لڑاکا بد مزاج اور غصہ در لڑکی کو اپنے خیالات کا مرکز بنا رکھا تھا۔ لیکن مسحور کو غصہ آیا سارہ پر۔ اور اس نے اپنے دل میں رشک کے شعلے بھڑکتے محسوس کئے!"

"میری کافی" ہشام غرایا" ادھر دو پیالی!"
"منہ دھو رکھئے" سارہ بھی گرجی" کام کے نہ کاج کے دشمن اناج کے۔ ابھی دیاں کافی دھانس چکے ہیں۔ اب پھر رال ٹپک رہی ہے۔ یہیں پیتے تو پھوٹی آنکھ

دیکھ ہی نہیں سکتے!"

"کیوں پھوٹے گی میری آنکھ۔ کہنے والے کی پھوٹے!" ہشام بولا "آپ یہ لے لیجئے!" مسحور بولی:

"اب کیا لے لوں۔ منہ کا مزہ کڑوا کر دیا اس جنگلی بلی نے" وہ بڑا سا منہ بنا کر بولا "میں پوچھتا ہوں اس چھوکری میں آپ کی سی تمیز، تہذیب اور اخلاق آخر کیوں نہیں ہے؟"

"اپنی نکٹی صورت آئینے میں نہیں دیکھتے" سامرہ پیچھے کیوں رہتی "نہ پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل۔ خود تو تہذیب اور تمیز کی دُم بھی نہیں جانتے۔ میرے نام دھرنے چلے ہیں۔ میں آپ سے لاکھ درجے اچھی ہوں۔! سنا!"

"منہ سنبھالتی ہے کہ میں رسید کر دوں دو ہاتھ" نہایت اُجڈ لہجے میں، ہشام بولا:

"ارے ارے!" مسحور بوکھلا گئی"

"یہ لیجئے دو ہاتھ!" پیالی زمین پر پٹخ کر سامرہ جھپٹی اور ہشام کے سینے پر دھما دھم دو گھونسے رسید ہی تو کر دئے۔ ہشام نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے مسحور کی آنکھیں حیرت و خوف سے پھٹ گئیں۔ سامرہ نے جھٹکا دے کر اپنے ہاتھ چھڑائے اور ہشام پاؤں پٹختا وہاں سے چلا گیا"

"یہ تم نے کیا کیا" مسحور کی سانس پھولنے لگی"

سامرہ ہانپتی ہوئی زبردستی مسکرائی "ایسے ہی ٹھیک رہتے ہیں نہیں تو کھوپڑی پر سوار ہو جائیں"

"تم واقعی ہوا نہیں سامرہ!"

"آج کوئی پہلی دفعہ مارا ہے!" سامرہ ہنس دی"

کیا مطلب ؟"

ارے یہ جھگڑا تو چلتا ہی رہتا ہے" ساحرہ پر کچھ اثر ہی نہ تھا۔ مگر مسحور دنگ تھی۔ اس نے پہلی دفعہ یہ لڑائی دیکھی تھی۔ اور پریشان تھی اسے ہشام پر بے حد ترس آ رہا تھا! بے چارہ۔ بزدل"

پھوپھی اماں اپنے پلنگ پر لیٹی تھیں۔ اور ہشام ان کے پیچھے بیٹھا ان کی کمر دبا رہا تھا"

پھرتے پھرتے بدن تختہ ہو گیا ہے" وہ کراہیں " بیٹے دو مکیاں ایڑیوں پر بھی لگا دینا۔ اللہ تجھے سلامت رکھے۔ بڑی عمر کرے۔ صاحب نصیب ہو۔ دونوں جہان کی خوشیاں تجھے ملیں"

پھوپھی اماں ـــــ!" وہ چکنی مکر دیدے نچا کر بولا"

ہوں" وہ غنودگی میں بولیں"

"ایک بات بولوں!"

"ہوں۔ ہوں؟"

"ادھر دیکھئے میری طرف!"

"وہ ادھر مڑ کر اسے دیکھنے لگیں"

"خفا تو نہ ہوں گی آپ؟"

"کیا بات ہے؟"

"یہ جو محترمہ مسحور ہیں نا" اس نے سر کھجاتے ہوئے کہا" یہ مجھ پر ڈاڈن ہو گئی ہیں۔ ایسا لگتا ہے مجھے!"

"وہ کیا بک رہا ہے!"

"جی ہاں۔ چھیڑ چھیڑ کر باتیں کرتی ہیں۔ میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھتی ہیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھرتی ہیں۔ ایک مرتبہ غریب خاکسار کے کمرے تک میں تشریف لے آئی تھیں اور رمضانی کو الگ بٹھا کے میرا کمرہ تک صاف کر دیا تھا اسکا کیا مطلب ہوا ہے پھوپھی اماں!"

"ارے۔ ہوش میں رہیو بچے" پھوپھی اٹھ کے بیٹھ گئیں اور تعجب سے اسے تکنے لگیں۔ اس کے چہرے پر دنیا بھر کی بے بسی اور بے چارگی طاری ہو کر رہ گئی تھی!

"پرائی بچی ہے۔ کچھ دنوں کے لئے آکے رہی ہے۔ اس پر کوئی طوفان نہ اٹھا دینا۔ تم آج کل کے لڑکوں کے سے ہوشیار، سمجھدار نہیں ہو۔ تمھیں کسی بات کا ادراک اور شعور نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہیں تمہاری وجہ سے کوئی بڑا جھگڑا بندھ کے رہ جائے!۔ کیا تم اس سے باتیں کرتے ہو؟"

"میں کیا باتیں کروں گا پھوپھی اماں" وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولا "آپ نے مجھے کبھی دیکھا کہ میں ان محترمہ کے آگے پیچھے پھرتا ہوں۔ وہی مجھ پر مامتا لنڈھاتی پھرتی ہیں۔ اب میں گھر چھوڑ کے کہاں بھاگ جاؤں۔ آپ ہی بتائیے کل کلاں کو کوئی بات ایسی ہو جائے کہ ممی اور ڈیڈی تک پہونچ جائے تو وہ میری کھال کیسے کھینچیں گے۔ ڈیڈی مجھے سڑک پہ پھانسی دے دیں گے پھوپھی۔ مجھے بچائیے۔ اسی لئے میں نے آپ سے پہلے یہی کہہ دیا کہ کل کو خدانخواستہ کوئی گل کھلے تو آپ میرا بچاؤ کر سکیں!"

"میں بڑی آپا سے کہوں گی۔ واہ۔ یہ بھی کوئی بات ہے" پھوپھی ناراض ہونے لگیں "ان کی بھانجی ہے۔ اس معاملہ میں وہ تمہی کو قصوروار سمجھیں

گی۔ میں پہلے ہی سے کیوں نہ کہہ دوں!"

"میرا نام لے کر کہیں گی آپ" وہ سہم سا گیا۔

"نہ۔ تمہارا نام کیوں۔ میں کہوں گی۔ میں نے اس کی چلت پھرت سے اندازہ لگایا ہے۔"

"پھوپھی مگر اس لب و لہجہ میں انہیں کہیں گی کیوں لگے۔ آپ خدانخواستہ اس پر کوئی الزام لگا رہی ہیں!۔ آپ میرا مطلب سمجھیں پھوپھی!"

"میاں۔ وہ لڑکی ذات ہے۔ جیسی میری بچی ویسی وہ۔ اگر میں اپنی بچیوں کی کوئی ناگوار حرکت برداشت نہیں کر سکتی۔ تو اس کی بھی کوئی ایسی ویسی بات مجھ سے سہی نہ جائے گی!۔ پہلے میں اندازہ تو کر لوں کہ تم جو کچھ کہتے ہو وہ صحیح بھی ہے کہ نہیں پھر کوئی بات کروں گی!"

"جی۔ جی۔ بس میں یہی چاہتا ہوں۔ پھوپھی۔ ان کی امی کب واپس آ رہی ہیں؟"

"پوچھوں گی میں بڑی آپا سے!"

"لیکن جو کچھ کہئے۔ اس میں نہ مجھے سامنے نہ مسحور کو۔ ہاں۔ مگر میں ہمیشہ یہ سوچتا ہوں کہ یہ مسحور کیسا نام ہے؟۔ مشہور ہوگا!"

پھوپھی جل گئیں۔ پھر وہی جہالت۔ بولیں "تم سے کیا کہوں اب۔ بچے معنی جانتے ہوتے تو بتاتی۔ مسحور اور مشہور میں فرق ہے!۔ کبھی لکھ کر سمجھاؤں گی۔"

"میں آپ کے پاس کس لئے بھاگ کے آیا ہوں۔ پتہ ہے؟"

"میں کیا جانوں؟"

مسحور بی رمضانی کو ساتھ لئے غریب کا کمرہ صاف کرنے پہونچی تھیں۔

آپ جا کے دیکھ لیجئے۔ میں نے ان سے کہا بھی کہ یہ عید پیچھے شر کیا معنی۔ کہنے لگیں کہ شائد آپ سے ملنے والے آئیں۔ کمرہ کباڑی کی دکان لگ رہا ہے۔ آپ باہر جائیے۔ تاکہ میں صاف کر دوں۔ لہٰذا میں آپ کے پاس بھاگ آیا ہوں!"

"اوئی۔ یہ کیسا نخرہ ہے۔ یہ لڑکی کوئی فساد کھڑا کرے گی کیا" پھوپھی اٹھیں جوتی پہنی اور جھلاتی ہوئی چلی گئیں"

سچ مچ انہوں نے دیکھا کہ مسحور ہشام کے کمرے ہی میں تھی کمر کسے سر پہ رومال لپیٹے جالے لے رہی تھی!۔ رمضانی فرش پہ گھٹنے ٹیکے بیٹھا قالین پہ برش رگڑ رہا تھا!"

یہ خواہ مخواہ کی مہربانی پھوپھی کو ایک آنکھ اچھی نہ لگی!۔ اور گرد کی پرواہ کئے بغیر وہ کمرے میں چلی گئیں۔ رمضانی رک گیا۔ مسحور نے بھی جھاڑ دینے کم کی:

"پھوپھی اماں۔ گرد ہے!" مسحور نے کچھ کہنا چاہا:

مگر تم سے کہا کس نے ہے بیٹی" پھوپھی کچھ خفگی سے بولیں "یہ سب ہمیشہ رمضانی کرتا تھا۔ تم کیوں گرد میں اٹ رہی ہو۔ باہر نکلو۔ نہاؤ دھوؤ۔ یہ اکاس کا کمرہ صاف کرے گا!"

مگر پھوپھی ـــــ" مسحور کا چہرہ اداس ہو گیا"

اچھی بات نہیں ہے۔ تم جانو بی بی۔ کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا۔ تم لاکھ اپنی ہو۔ مگر تم ہشام کی کوئی نہیں ہو۔ سمجھیں۔ ایک لڑکی کے لئے یہ بڑی معیوب بات ہے۔! ہشام خود بھی بالکل لٹھ ہے۔ اسی نے کوئی نامناسب بات کہہ دی تو دل پہ لکھ جائے گی۔ سائرہ کو تم دیکھو کہ اپنے کام سے کام رکھتی ہے۔ اس نے کہنے سننے کے باوجود کبھی جھاڑ دے کر ادھر کا رخ نہیں کیا۔ یہی اچھا بھی لگتا ہے۔ چلو تم ادھر۔ تمہیں یہاں دیکھ کر تمہاری خالہ بھی برا مانیں گی!"

جھاڑو رمضانی کو دے دو۔ اور تم باہر نکلو !"

ان کا لب و لہجہ اتنا سرد تھا کہ مسحور ٹھنڈی ہو گئی۔ پھر اس نے کچھ نہیں کہا۔ سر سے رومال کھول کر میز پر ڈالا۔ دوپٹہ ٹھیک سے اوڑھا اور جھاڑو فرش پہ ڈال کر پھوپھی کے پیچھے چلی آئی !"

اسے شرمندگی کے ساتھ ساتھ اپنی توہین کا بھی احساس ہو رہا تھا! لیکن کسی نے اس کے انداز سے کچھ بھانپ لیا تھا؟" کیا ہوا تھا۔ پھوپھی نے منع کیوں کر دیا!۔

وہ اپنے کمرے میں آئی اور گم سم سی بستر پر آ لیٹی۔ دماغ میں طوفان سے سنسنا رہے تھے اور کانوں میں سیٹیاں سی بج رہی تھیں !"

وہ یوں ہی حساس اور جذباتی تھی۔ عمر بھر اس نے الٹے سیدھے نامکمل اور بے تعبیر خواب دیکھے تھے۔ انہیں تعبیر طلب بنانے میں خون سکھایا تھا۔ اور پہلی بار ایسے کسی شخص سے جذباتی دلچسپی ہوئی تھی۔ لیکن اس کی بدنصیبی کی انتہا تھی کہ وہ شخص جذباتی طور پر حواس خمسہ ہی سے محروم تھا" جذبات کے حواس خمسہ"! مسحور تو یہی سمجھی تھی۔ نہ وہ کسی کے پیار بھرے انداز کو دیکھ سکتا تھا نہ وہ آنکھوں میں لکھے ہوئے پیغام کو پڑھ سکتا تھا نہ اسے یہ بھی پتہ تھا کہ کبھی کبھی چھوٹا سا تبسم بھی کسی بڑی خوشی کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ نہ اسے محبت بھرے بول متاثر کرتے تھے۔ حواس خمسہ ہی سے عاری تھی۔ اور وہ خود کو اس نوبت پر دیکھ کر آپ ہی آپ خجل اور نادم بھی ہوئی جا رہی تھی۔ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا اسے۔ خواب اور بیداری کا سنگم۔ جہاں وہ دم بخود کھڑی تھی !"

پھر پھوپھی نے تو آخری تازیانہ بھی رسید کر دیا۔ جس کی ضرب کی جلن اسے بے چین کئے دیتی تھی۔ کتنا روح فرسا خیال تھا۔ آخر پھوپھی نے کیا دیکھ لیا تھا؟"

اُسے کمرے سے نکلتے اور سب کا سامنا کرتے اپنا منھ دکھاتے شرم آرہی تھی؛
ادھر پھوپھی نے بیگم افتخار سے سب کچھ کہہ دیا۔"
وہ متحیر بھی تھیں اور متاسف بھی۔ بولیں "یہی فساد ہوتا ہے۔ جہاں تیز اور ماں باپ کی لاڈلی ہوتی ہیں۔ لو بھلا۔ ہشام کا سا جانگلو، کہاں اور مسعود کہاں۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ شوکت بھائی نے اپنے لوگوں میں اس کا کوئی رشتہ تلاش بھی کر رکھا ہے۔ ابھی تین چار مہینے پہلے میں پٹنہ کی رونمائی میں گئی تھی وہاں کچھ تذکرہ ہوا تو نعیمہ نے کہا تھا کہ شوکت بھائی نے اپنے بھتیجے کو پسند کر لیا تھا۔ مگر وہ ابھی برسر روزگار نہیں ہوا۔ اس لئے رشتہ پکا نہ ہو سکا۔ اے اب نعیمہ خدا کرے کہ جلدی آئیں اور اپنی لڑکی کو لے جائیں۔ بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ اسے تو کوئی کچھ نہ کہے گا مگر ہشام نشانۂ ملامت بن کر رہ جائے گا۔ الھار کو دیکھتی ہو۔ جب تک آدمی بنے رہتے ہیں۔ خیریت رہتی ہے۔ اگر غصہ آجائے تو پھر ان کا سا بھوت بھی کوئی نہیں۔ لڑکے کو حلالی کر کے پھینک دیں گے۔"

پھر جانی بوجھی بے ساختہ بے خبری میں پھوپھی اور خالہ مسعود پر نظر رکھنے لگیں۔ ہشام کی نقل و حرکت کو معنی پہنانے کی کوشش کرنے لگیں۔ اس کی امی سے کسی نے کچھ نہ کہا۔ وہ بہت صاف گو تھیں۔ پھٹ سے راز الم نشرح ہو جاتا!۔
انہیں مسعود کی پسندیدگی کا ثبوت بھی ایک روز مل گیا۔ کچھ دنوں کی گوشہ نشینی کے بعد مسعود پھر دل کے ہاتھوں انھی سب میں گھلنے ملنے لگی۔ دوپہر کو کھانے کے بعد ہشام نے اٹھ کر فرج سے پانی کی بوتل نکالی اور وہیں کھڑے کھڑے منھ سے لگا لی!"
اس کی ممی کو بڑا برا لگا۔ گرج کر بولیں "یہ کیا کر رہا ہے گلاس کیوں

نہیں لیتا! - ہزار تمیز سکھائی کمبخت کو۔ پر ویسا ہی رہا۔ ہائے اس کا ہوگا کیا ثمینہ آپا ——! ؛

" میز پر تو رکھا ہے گلاس ! ؛ جھنجھلا کے ہشام بھی چیخا۔ دستر خوان پہ کوئی مرد نہ تھا اور ایسے وقت ہشام کی حلق بھی کافی لاؤڈ اسپیکر ہو جاتی تھی ! ؛ کون سا میرا منہ اتنا گندہ ہے کہ آپ کی نحوست ماری بوتل غلیظ ہو جائے گی ! ؛

" گلاس میں پی۔ کہے دیتی ہوں ؛ بیگم الصار بولیں ؛ مجھے غصہ نہ دلا۔ بوٹی بوٹی الگ کر کے پھینک دوں گی ! ؛

جھٹ مسحور اٹھی گلاس لیا اور پاس جا کر ہشام کو دینے لگی۔ اس نے بڑی بے بسی سے ماں اور چچی کی طرف دیکھا۔ اور گلاس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ چنانچہ چچی یعنی بیگم افتخار جو سب کچھ جانتی بوجھتی تھیں اور در پردہ مسحور سے خفا بھی تھیں۔ ہشام کو ڈانٹ کر بولیں ؛

" ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے ہیں تیرے کم بخت۔ اسٹینڈ پر سے گلاس لے کر پانی کیوں نہیں پیتا ؛ ؛ اور بی بی تم ادھر آؤ۔ عادتیں خراب کر رہی ہو اس کی ؛

ہشام نے گلاس نہیں لیا۔ جان بوجھ کر نہیں لیا۔ بوتل میز پر پٹختی اور پانی پیئے بغیر پاؤں پٹختا ہوا چلا گیا۔ مسحور بے حد شرمندہ تھی !۔ اکیلے میں اسے سائرہ نے آڑے ہاتھوں لیا ؛

" تمہارا انتخاب لاجواب ہے۔ مگر بی بی تم تو گھاٹ کے پتھر سے سر پھوڑ رہی ہو۔ خواہ مخواہ جی کو روگ نہ لگاؤ۔ کہیں کی نہ رہو گی۔ سنا ! ؛

تم سے کیا چھپانا۔ سائرہ۔ وہ مجھے شروع سے اچھے لگتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے اُن سے۔ میں ان سے کچھ توقعات وابستہ کرنے لگی ہوں۔ وہ۔ بہت معصوم ہیں۔ انہیں چاہنے میں مجھے بے حد سکون ملتا ہے ! ؛

ساجرہ نے اس کا مذاق اڑایا "مسحور بیگم۔ تم تو یہاں رہ کر بڑھنے آئی تھیں۔ تم نے دوسرا سبق لینا شروع کر دیا۔ ارے۔ کہاں تک اچھی صورتوں سے متاثر ہوا کرو گی۔ دنیا میں اچھی صورتیں بے شمار ہیں۔ اور تمہاری فقط دو عدد آنکھیں اور ایک عدد دل ناتواں ہے اس طرح ہر عمدہ شکل کو گھورتی اور اس پر دل لنڈھاتی پھرو گی تو پھر تمہارے پاس تمہاری اپنی کیا چیز باقی بچے گی؟" "پاگل نہ ہو جاؤ گی" "مجھے دیکھو ...... میں تو بچپن سے ان کے ساتھ رہ رہی ہوں۔ ہم میں پیار محبت مراد جیسی کا تو نام بھی نہیں آیا۔ بس ایک دوسرے سے مار کٹائی کرتے رہے۔ وہ میرے بال کھینچتے تھے میں ان کے ہاتھوں میں کاٹتی تھی۔ ارے۔ میں تو ان کی واہیات شکل پر نظر تک نہیں ڈالتی۔ اگر ڈالتی بھی ہوں تو مجھے غصہ آجاتا ہے۔ تمہیں وہ شکل معصوم اور پیار کے قابل کیسے لگتی ہے۔ حیران ہوں"

"ساجرہ۔ کھانا مت کسی سے"

"ہنھ!۔ اجاڑ صورت۔ یہ بات کسی سے کہنے کی بھی ہے"

"ساجرہ"

"ہوں!"

سچ کہو۔ کیا آج تک تمہیں کسی سے محبت نہیں ہوئی!"

"بالکل نہیں!"

اپنے لوگوں سے بھی نہیں؟" حیرت سے مسحور نے پوچھا"

ارے کیا اپنے لوگ" ساجرہ نے سخت منہ بنایا" یہ لوگ کوئی محبت و چاہت کے قابل بھی ہیں۔ میں بتاؤں تمہیں۔ یہ بھائی جان اور دولھا بھائی جو بڑے سنجیدہ و متین بنے پھرتے ہیں۔ بچپن میں مجھے اس قدر ستاتے تھے کہ جس

کی حد نہیں دولھا بھائی میری گڑیا اور گڈے کا نکاح پڑھانے آتے تھے اور مار
کے سارے بتاشے اور کھٹیاں کھا جاتے تھے۔ بھائی جان نے ایک دفعہ میری پکائی
ہوئی پوری ہنڈکھیا صاف کرکے رکھ دی تھی۔ ممی اور والد صاحب عمر بھر جھڑکیاں
گھڑکیاں دیا کئے۔ انہیں مجھ سے تھوڑی محبت تھی۔ باجی سے تھی۔ اب بھی دیکھو نا
باجی کی شادی کے بعد بھی انہی کا کلمہ پڑھے جاتے ہیں۔ پھر بھلا اتنی تلخ یادوں
کے بعد میں کیسے کہہ سکتی ہوں کہ مجھے نگوڑی کسی سے محبت بھی ہے "
اتنی لمبی تقریر تم نے فرمادی " مسحور مسکرا کر بولی " مگر میرے سوال کا
جواب نہیں دیا ....!
تمہارا سوال ہی میری سمجھ میں نہ آیا ہوگا ! "
میں اِن خون کی محبتوں کو نہیں پوچھ رہی تھی ! "
آیا۔ تو وہ والی محبت کے بارے میں پوچھا تھا تم نے " ساجرہ نے استفہامیہ
پیرائے میں کہا " سنو بی بی۔ میں ایسے کچے دل کی نہیں۔ نہ اللہ کرے میرے
خون میں کسی بیماری کے جراثیم ہیں کہ میں خواہ مخواہ کا روگ لگا کے دن کا
چین رات کی نیند حرام کرتی پھروں۔ نہ۔ مسحور۔ جب میں اس قسم کی محبت
کے بارے میں سوچتی ہوں تو مجھے خود سے شرم آتی ہے۔ کتنی بُری بات ہے۔
ہمارا خیال کرکے کوئی آدمی کچھ سوچتا رہا کرے۔ ہم سے ملنے کے بہانے تلاش
کرے۔ اور واہیات سی آرزوئیں ہم سے وابستہ کرے۔ چھی توبہ۔ مجھے
اس قسم کی محبت نہ کسی لنگور سے ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔ اور میری نصیحت
تو یہ ہے کہ تم بھی ایسا بیکار خیال دماغ سے جھٹک دو...... عمر کا بہترین
حصہ ایسے بے سود جذبات میں برباد ہو جاتا ہے۔ جس کے بارے میں
اگر دس سال بعد سوچو تو تعجب ہوتا ہے کہ ہم بھی کتنے احمق تھے ! "

"کاش!۔ میرا دل و دماغ بھی تمہاری طرح میرے اختیار میں ہوتا۔"

"سچ سچ۔ تم ہشام بھائی سے محبت کرنے لگی ہو۔" سامرہ حیران تھی۔

کہہ نہیں سکتی۔ بہرحال جب بھی ان کا خیال آتا ہے یا وہ سامنے آجاتے ہیں تو میرا دل دھڑک اٹھتا ہے۔"

سامرہ ہنس پڑی۔ "لو بھائی آج ہی پتہ چلا کہ بیکار چیز بھی کبھی نہ کبھی کارآمد ثابت ہو جاتی ہے۔

کیا مطلب؟۔

"مطلب یہ کہ۔ وہ گوشت پوست کا بے صرف انبار ہیں نہ پڑھے نہ لکھے۔ ان پڑھ۔ احمق۔ کس کام کے ہیں وہ۔ اپنی ہی جان اُن پر بھار ہے۔ صبح سے شام تک ایک ایک کی ڈانٹ پھٹکار کھایا کرتے ہیں۔ بھلا ان سے وابستہ ہو کر کسی کا کیا بھلا ہو سکتا ہے؟"

مسحور کے دل پر بوجھ سا آگرا۔ اب کون ہے رازدار۔ وہ آپ ہی آپ پگھلتی گئی۔ ناممکن تھا کہ وہ ہشام تک اپنے دل کی آواز پہونچا تی۔ ایک حشر اٹھ جاتا۔ اب تو کالج جانے اور تعلیمی مصروفیات میں بھی اس کا جی نہیں لگتا تھا۔ اس کے برعکس ایک سامرہ تھی۔ جیسے ہرے بھرے چمن کی مہکتی فضا میں اڑنے والی تتلی۔ اسے اس پر رشک ہوتا اور افسوس بھی ہوتا۔ دنیا کی سب سے زیادہ لذت خیز جذبۂ محبت سے وہ یکسر ناآشنا تھی!۔

اور ہشام تو جیسا کچھ تھا۔ ظاہر ہی تھا۔ مسحور چاہتی تھی کہ وہ بھی کچھ فکرمند، پریشان اور سوچتا ہوا دکھائی دے۔ کبھی اس کی طرف نگاہ اٹھے تو پلکوں پر نمی نظر آئے۔ کبھی وہ ٹھنڈی سانس بھرتا سنائی دے۔ لیکن اس کے مشاغل تو جیسے پہلے تھے ویسے ہی ہمیشہ رہے!۔"

گھر بھر میں دو کھلونے اسے پسند تھے۔ پھوپھا ابا اور ننھا منا ابی۔ دن بھر وہ ابرار سے کھیلا کرتا۔ اسے کھلاتا پلاتا اپنے ساتھ سیر کرانے لے جاتا اور اپنے ہی پاس سلا بھی لیتا۔ یا پھر پھوپھا ابا تھے۔ وہ بھی ذہنی طور پر بچے ہی تھے!۔

ہشام کو احساس تھا۔ وہ بے چارے دماغی طور پر معذور تھے۔ ان کے کوئی بھی بچہ نہ تھا۔ وہ ہمیشہ انہیں الجھائے رکھتا۔ ان کے لئے لائبریریوں سے کتابیں لاتا۔ اور اپنے ساتھ فلمیں دکھانے لے جاتا!۔ یا پھر یہ بھی کہ تالی بجا بجا کر شور مچانے کے باوجود دونوں قوالی گاتے۔ ایسے لاابالی اور جلد باز انسان سے کسی بھی جذبے کی پذیرائی کا خیال، خیال خام تھا۔

پھر پتہ نہیں کیا ہوا۔ یا تو بیگم افتخار نے اپنی بہن کو خط لکھا یا پھر ان ہی کا کام جلدی سے نپٹ گیا۔ وہ ایک دن کسی قسم کی اطلاع کے بغیر آ گئیں!۔

مسحور کو بھی اطلاع نہ تھی!۔ اس کے پاس تو ہفتے بھر سے خط بھی نہ آیا تھا۔ لیکن ایک شام شوکت صاحب کا ملازم مسحور کو بلانے آپہونچا۔

"صاحب اور بیگم صاحبہ حیدر آباد آ گئے ہیں۔ آپ کو واپس آنے کی تاکید کی ہے صاحبزادی!"

"کب آ گئے پاپا!" مسحور کے پیروں تلے سے زمین کھسکنے لگی۔ بیگم افتخار نے غیر شعوری طور پر اطمینان کی سانس لی۔ مسحور ان کی بھانجی تھی۔ وہ متفکر تھیں۔ یہ جذباتی لڑکی کوئی گل نہ کھلا دے!۔ وہ خود اسے اپنے ساتھ لے جانے پر آمادہ ہو گئیں!"

مسحور نے ضد کی "مگر میرا دل یہیں زیادہ لگتا ہے۔ خالہ بی۔ سائرہ کے ساتھ میرا وقت بھی اچھا کٹتا ہے۔ آپ امی سے کہلوا دیجئے کہ امتحان کے بعد جاؤں گی!"

اچھا اچھا کہدوں گی مگر فی الحال چلو میرے ساتھ۔ میں خود بھی نعیمہ سے ملنا چاہتی ہوں" وہ بولیں"

تو آپ جا کے مل آئیے خالہ بی" اس نے جارحانہ انداز میں کہا۔

بیگم افتخار کو غصہ آیا۔ وہ لڑکیوں کی سرکشی کو کسی حال میں گوارہ نہ کر سکتی تھیں۔ مسحور کی دل شکنی کی پرواہ کئے بغیر بولیں"

" نہیں۔ میں اب تمھیں اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتی۔ چلو میرے ساتھ سامان بعد کو بھجوا دوں گی۔!

مسحور کا دل پھٹ گیا۔ وہ اکیلے میں خوب روئی۔ اور پھر کچھ سوچ کر اٹھی قلم کاغذ سنبھالا اور میز پر آ بیٹھی۔

سامرہ اتنی کھری تھی کہ مسحور کے اچانک چلے جانے سے بھی وہ متاثر نہ ہوئی۔ اسے تو جانا ہی تھا۔ اگر مسحور نے رو رو کر آنکھیں سرخ کر لی تھیں تو وہ نری احمق تھی۔ ویسے بیگم افتخار اور پھو پھی اس کی بے موقعہ گریہ وزاری کی وجہ خوب جانتی تھیں!۔

اس دن وہ بطور احتجاج کے کالج بھی نہ گئی اور انتقاماً اپنا سامان درست کرتی رہی۔ سامرہ نے بھی اس کی خاطر کالج کو غوطہ دیا۔ اور مسحور کا ہاتھ بٹاتی رہی۔

سہ پہر کی چائے کے بعد بیگم افتخار نے آٹو رکشا منگوایا۔ اور سامرہ سے بولیں" چلو تم بھی۔ میرے ساتھ واپس آجانا!"

" اللہ امی۔ آج میں کالج نہیں گئی۔ مجھے عربی کے پورے پورے الفاظ کے معنی لکھنا ہیں ابھی!"

سب لڑکیاں بے تکی ہیں" وہ بگڑ گئیں" میری تو سمجھ ہی میں نہیں آتا۔

آخر بھیجوں پر کیسی پھپھوندی جمی ہے کہ بڑوں کے حکم کو کچھ خاطر ہی میں نہیں لاتیں۔

انہیں سائرہ پر بگڑتے چھوڑ کر مسحور نے غنیمت جانا اور بولی "اچھا میں ذرا پھوپھا جی سے مل آؤں" اور جواب سنے بغیر بھاگ کر صحن کی دیوار کے پیچھے چل دی۔ بیگم افتخار جز بز ہو گئیں۔

"کون سا ضروری تھا سید میاں سے ملنا!"

پھوپھی کے صحن میں اونچے اوٹے پر پھوپھا اور ہشام بیٹھے تھے۔ ہشام تالیاں بجا رہا تھا اور دونوں مل کر ایکشن کے ساتھ قوالی گا رہے تھے۔

آہیں نہ بھریں شکوے نہ کئے کچھ بھی نہ زباں سے کام لیا۔

پہلے ٹکڑے پر پھوپھا نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

دوسرے پر منہ پر انگلی رکھ لی۔

اور تیسرے پر یہ کیا کہ زبان نکال کر دکھا دی۔

پھر ہشام کے ساتھ ہی زور زور سے ہنسنے لگے۔ دفعتہً ان کی نظر مسحور پر پڑی۔ انھوں نے مستفسرانہ نگاہوں سے ہشام کو دیکھا۔ اس نے چپکے سے کندھے اچکائے۔

وہ پاس آئی اور پھولی پھولی سانسوں کو قابو میں کر کے بولی۔

"پھوپھا ابا۔ میں جا رہی ہوں۔! آپ کے سلام کو حاضر ہوئی تھی۔"

وعلیکم السلام، وعلیکم السلام" بے حد خوش اخلاقی سے پھوپھا نے کہا۔ جانے اور اس کے سلام کو حاضر ہونے کا مقصد نہ پوچھا۔

پھر جیسے ہی پھوپھا اپنی ایڑی پر سے چیونٹی جھاڑنے اُدھر جھکے اس نے کاغذ کی ایک گولی ہشام پر پھینک ماری اور بیگم افتخار کی آواز پر اُدھر بھاگ گئی۔

"میاں۔ یہ چیونٹی بعض دفعہ اپنا پورا سر کھال میں گڑ دیتی ہے۔"

پھوپھا بولے۔ اور ایڑی کھرچتے ہوئے بولے "اُف۔ کیا بڑا اساد وہ ٹماٹر پڑ گیا ہے"

ہشام کے دل میں چیونٹی نے سر گرا دیا تھا۔ اس نے بد حواس ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھوپھی نے تو مسحور کی یہ حرکت نہیں دیکھ لی تھی۔ وہ تو ذبح کروا دیتیں۔! اس کی پیشانی پسینے سے تر ہو گئی۔ بڑی مشکل سے اس نے کاغذ کی گولی پتلون کی جیب میں رکھی اور بولا۔

"بھپ۔ پھوپھا جی۔ میں غسلخانے جا کے ابھی آیا"

پھر غسلخانے کا دروازہ خوب مضبوط بند کر کے اس نے کپکپاتے ہوئے سرد ہاتھوں سے پرچہ کھول کر صاف کیا شکنیں درست کیں۔ اور تیزی سے پڑھا۔

"کاش۔ آپ اس قابل ہوتے کہ پڑھ لکھ سکتے۔ مجھے اس امر کا بے حد صدمہ ہے کہ میں نہ تو اپنا مطلب واضح کر سکتی ہوں نہ آپ سمجھ سکتے ہیں۔ پھر بھی امید ہے کہ یہ آسان سی تحریر پڑھ سکیں گے۔ اور پھر مطلب سمجھنا مشکل نہ ہو گا!۔ ہشام صاحب۔ آپ جیسے بھی ہیں۔ مجھے بے حد پسند ہیں۔ آپ کا یہی روپ یہی انداز مجھے اچھا لگتا ہے۔ میں اتنے دن آپ کے ساتھ رہی اور کئی بار اپنے دل کی آواز آپ کو سنانا چاہی۔ مگر یا تو آپ نے سُنی نہیں یا ان سُنی کر دی۔ اب آپ سمجھ گئے کہ میرا مطلب کیا ہے۔ مجھے میرے والدین سے مانگ لیجئے۔ آپ کے سوا میں کسی اور کے ساتھ خوش نہ رہ سکوں گی۔ یاد رکھئے"

آپ کی مسحور"

اس نے چٹھی پتلون کی اندرونی جیب میں ٹھونس لی اور چہرے سے ظاہر ہونے والی بوکھلاہٹ پر قابو حاصل کر کے باہر نکلا۔ اس کا دل حلق میں دھک دھک کر رہا تھا اور انگلیاں ابھی تک کانپ رہی تھیں!۔ اس کی زندگی میں یہ پہلا موقعہ تھا۔ ویسے وہ اس قسم کی ماڈرن محبت سے قطعی ناآشنا تھا۔ اس کی اٹھان ایک ایسے شریف خاندان میں اٹھی تھی جہاں اس قسم کی بدعتیں گناہ اور عیب کا درجہ رکھتی تھیں۔ نہ اس نے کہیں اور اس طرح کا ناٹک دیکھا تھا۔ اس کے گھر میں تو اس کے بھائی اور بہنوئی تک کبھی اپنی بیویوں سے بزرگوں کے سامنے بات نہیں کرتے تھے!۔ اور نہ اسکے باپ چچا وغیرہ اپنی بیویوں سے کوئی مذاق کی گفتگو کرتے تھے۔ وہ سب لوگ شرافت کے اعلیٰ معیار پر فائز تھے۔

ہشام کو سحور کی اس حرکت سے بہت افسوس ہوا۔ وہ شروع ہی سے جانتا تھا کہ اس کے خمیر میں عشق کے چند جراثیم موجود ہیں۔ مگر وہ اسے بھی متاثر کرنے کی کوشش کریں گے!۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا۔ ہمیشہ اس کی نظروں سے بچتا رہا تھا۔ اس کی گفتگو کو اپنی جہالت کی ڈھال پر روک لیتا تھا۔ اور سحور پر واضح کر دیتا تھا کہ اس نے اس کی کوئی بات نہیں سمجھی۔ لیکن یہ خط۔ سحور کی یہ بے باک جسارت اُسے اتنی بُری لگی کہ وہ گم صم سا اپنے کمرے میں آیا اور خاموش سا کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے سوچا کہ اگر سحور نے کوئی اور قدم اٹھایا تو کیا ہوگا۔ اگر کوئی خط ڈاک سے بھجوا دیا۔ اس میں پہلے خط کا جواب مانگا اور وہ خط بڑے دل میاں سے کسی کے ہاتھ لگ گیا تو کیا ہوگا؟ :

کیا کرنا چاہیئے۔ چچی اماں کی وہ بھانجی ہے۔ ان سے کچھ کہا جائے تو وہ

برا مانیں گی۔ ممی بہت صاف گو ہیں۔ کوئی سی بات وہ خود تک نہیں رکھ
سکتیں۔ پھوپھی۔ پھوپھی پہلے بھی راز دار تھیں اب بھی مدد کریں گی۔ وہ
بہادروں کی طرح اٹھا اور پھوپھی کے گھر چلا گیا۔"

وہ اپنے صاف ستھرے کچن میں بیٹھی پھلکیاں پکا رہی تھیں اسٹیل کی
چاندی سی لگن میں بیسن رکھا تھا۔ ایک چمکدار کٹوریا میں نئی املی کی چٹنی
بھی تھی۔ پھوپھا بھی اونچی چوکی پر بیٹھے ایک پھلکی کا پیٹ چیرے پھونکے مار
رہے تھے۔ اسے دیکھ کر نعرہ لگایا۔

"آؤ۔ آؤ۔ میں تمھیں پکارنے ہی والا تھا۔ بیٹھ جاؤ۔ اس موسم میں گرم
پھلکیاں چٹنیاں لگا لگا کے نہ کھائیں تو زندگی میں گویا کچھ کیا ہی نہیں۔
بیٹھ جاؤ میرے پاس!"

"واہ پھوپھا ابا۔ یہ الگ الگ۔ اچھا جی۔ میں نہ آتا تو آپ اکیلے سب
کھا پی چکتے!" وہ بولا اور زبردستی ہنس کر ان کے پاس ٹک گیا۔

"نہیں تو۔ میں نے تمہارے لئے چھپا رکھی تھیں۔ یہ دیکھو!" انہوں
نے کرتے کی جیب دکھائی جس میں چار پانچ پھلکیاں چھپا رکھی تھیں کرتے
کی جیب سے تیل نچڑ رہا تھا۔ پھوپھی نے سر پیٹ لیا۔

"ہائے ہائے آپ کی چوری کی عادت نہیں گئی۔ ارے۔ کیا میں اسے نہ دیتی؟"

اور ہشام نے اپنے پیارے بھولے بھالے پھوپھا کا گال چوم لیا۔ پھر
جب وہ ایک آسودہ ڈکار لے کر اور کافی کی فرمائش کر کے کچن سے گئے
تب اپنے پر گزرنے والے حادثے کا تذکرہ کر کے ہشام نے پرچہ پھوپھی کو
پکڑا دیا۔

"میں تو پڑھ نہیں سکتا۔ کیا لکھا ہے۔ آپ ہی پڑھئے۔ محترمہ کیا تحریر

فرمایا ہے ۔"
پھوپھی نے محبت نامہ پڑھا اور سرخ ہو گئیں ۔
"سچ سچ تجھ سے عبارت پڑھی نہ گئی !" انہوں نے پوچھا ۔
"نہ ۔ !" بڑے معصوم بھولپن سے ہشام نے نفی میں سر ہلایا ۔
"تجھ سے کبھی کچھ باتیں بھی کی تھیں ؟"
اس نے

"جی !"
کیا کی تھیں ؟"
"دریافت کیا تھا کہ آپ کا پسندیدہ پرندہ کون سا ہے ۔ میں نے جواب دے دیا کہ ۔ چیل ۔"
چل دور !" پھوپھی نے کہا ۔ پھر چوکھا آف کر کے باہر نکلیں ۔ وہ پیچھے لپکا ۔ اور سہم کر بولا ۔"
"آپ نے کیا سوچا ہے !"
"تجھے بدنامی سے بچانا ہے بیٹا ۔ وہ لڑکی اگر ایسی ہی تیز ہے کہ چٹھیاں چپاٹیاں کرتی ہے تو سچ سچ کہیں اپنے گھر سے نہ لکھ مارے کوئی اور خط ۔ بھائی صاحب یوں بھی تم سے ناراض رہتے ہیں ۔ تب تو برداشت نہ کر سکیں گے ۔ میں کسی طرح مسعود کی امی سے باتوں باتوں میں کہوں گی کہ اب لڑکی کو پڑھائی سے اٹھا کر کسی بھلے گھر میں بیاہ دیں ۔ وہ بے چاری بہت سمجھدار ہیں ۔ مان لیں گی میری بات ۔ مگر سن تو میاں ۔ کیا وہ سچ سچ تجھے اچھی نہیں لگتی ۔ اگر پسند ہو تو ہم بیاہ لائیں اسے !"
"پھوپھی اماں ۔ مجھ پر رحم کیجئے ۔ میں یونہی بھلا" وہ گڑگڑایا " آپ اتنا نہیں سوچتیں کہ تعلیم یافتہ بیوی کے سامنے میں ہمیشہ احساس کمتری میں

مبتلا رہوں گا۔ مجھے شادی وادی کرنی نہیں ہے!"
وہ چلی گئیں
اور پھر وہ ایک روز میں گھر بھر میں ایک بڑا زبردست انقلاب آگیا۔!!

شُبحہ کو گھر پہونچا کے اور اپنی بہن سے مل ملا کے جب بیگم انتخار بعد مغرب پروگرام کے بخلاف واپس آگئیں تو انہوں نے دیکھا کہ باہر مردانہ بیٹھک میں روشنی ہو رہی تھی اور سامرہ کسی سے باتیں کر رہی تھی! ۔ پہلے تو انہیں خیال ہوا کہ شاید اشہر ہو یا منصور ہی ہوں ۔ لیکن یہ خلاف معمول بات تھی ۔ منصور یا ایثار وغیرہ سے اس قسم کی توقع نہ کی جا سکتی تھی۔
تو پھر کون ہے ۔ ایک نئی مردانہ آواز دفعتہً ان کے کانوں میں پڑی ۔ انہوں نے آگے بڑھ کر پردہ سرکایا۔!
سامرہ گھبرا کر مڑی ۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک لڑکا بھی مڑ گیا ۔ خاصہ لمبا تڑنگا لڑکا تھا ۔ فیشن ایبل کپڑے پہنے ۔ اس نے جھک کر انہیں سلام کیا۔
" کون ہو میاں تم ۔ کیا چاہتے ہو؟" انہوں نے پوچھا۔
جی ۔ میں محترمہ سامرہ کی سہیلی کا بھائی ہوں ۔ مجھے عبدالعزیز کہتے ہیں ۔ چونکہ یہ آج کالج نہیں آئیں ۔ ان کے پاس آپا کی ایک کاپی رہ گئی ہے ۔ آپا نے مجھے لینے کو بھیجا تھا ..... کل ان کا ماہی ٹسٹ ہے ۔ اس لئے ۔!"
" اچھا اچھا ۔ تو لے لو کاپی!"
جی ہاں"

تو پھر۔!

جی ہاں۔ میں جا رہا ہوں۔! آداب عرض!" وہ جھکا اور مودبانہ سلام کر کے چلا گیا!"

سائرہ تھر تھر کانپ رہی تھی!۔ وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ اور بیگم افتخار کی آتشیں نظریں زہریلے تیروں کی مانند اس کے دماغ میں گھسی جا رہی تھیں۔

"تم چلو اندر!" وہ سرد آواز میں بولیں۔ اور جب سائرہ اندر چلی گئی تب کچھ کہے بغیر وہ بھی اس کے پیچھے چلی گئیں"

سائرہ اپنے کمرے میں آئی اور مُردے کی طرح سرد مسہری کے پائینتی بیٹھ گئی۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ اور سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب ہوگا کیا!؟۔ اپنی ماں کی معنی خیز خاموشی اسے کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی!۔ اور وہ متوقع تھی کہ بہت شدید سرزنش کا مقابلہ اسے کرنا پڑے گا!۔ لیکن لاکھ دل مضبوط کر کے بھی وہ ماں سے مقابلہ کی ہمت خود میں نہیں پا رہی تھی۔ وہ تو خود سے سوال جواب کر رہی تھی۔ ممی یہ پوچھیں گی جواب میں اسے کیا کہنا چاہیئے!"

باہر سب بدستور تھا۔ ننھا اپنی قلقاریاں مار رہا تھا۔ شاید وہ اور ہشام کرکٹ کا کھیل رہے تھے۔ کیسے بے فکر ہر رنج و غم سے آزاد تھے دونوں ان پر سائرہ کو بے حد رشک آیا۔ کل تک وہ خود بھی تو ایسی ہی بے فکر تھی۔ مگر آج۔ آن کی آن میں یہ کیا ہوا!"

کاش وہ ممی کے بھائی سے نہ ملی ہوتی۔ کاش جلدی سے اسے بڑھا دیا ہوتا۔ کاش ممی ہی اتنی جلدی نہ آئی ہوتیں۔

مگر اب سارے کاش بیکار تھے۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو اٹھا۔ ممی اس

کا یہ قصور حشر تک معاف نہ کریں گی۔ خدا کی پناہ۔ سامرہ ؟۔ اور ایک لڑکے سے اکیلے میں باتیں کرے ؟۔ اُف فوہ ۔!

بُوا جی نے پردے سے کھچڑی سر نکالا اور بولیں "بیٹیا کھانا لگ گیا۔ چلو تمہاری امی بلا رہی ہیں" ایک بم سامرہ پر پھٹ پڑا۔ وہ مرے مرے قدموں سے طعام خانے میں پہونچی۔ حسب معمول سب ہی تھے۔ سامرہ نے کوئی بغیر معمولی بات محسوس نہ کی تب اس کی جان میں جان آئی ۔!

ہشام نے ایک سرسری نظر اس پر ڈالی۔ کھنکھارا اور بولا "پھوپھی ممی ذرا وہ ٹکڑہ مچھلی کا میری رکابی میں رکھ دیجئے !"

"مچھلی نہیں دیوانے" باجی ہنس دیں "کٹھل کی ترکاری ہے۔ یہ تو میں نہیں کھانے کا" وہ ٹھنکا "کٹھل مجھے بالکل کھٹملی لگتا ہے"

"تو پھر گھی ڈال کے دال کھاؤ !۔ پھوپھی نے ڈش اس کے سامنے سرکا دی۔ ہمیشہ کھانے کے وقت گڑبڑی کرتے ہو" ایثار جھنجھلائے۔

سامرہ گم صم سی نوالے اٹھا رہی تھی۔ جب تقریباً کھانا ختم ہو چکا۔ دفعتہً بیگم افتخار نے اپنے شوہر کو مخاطب کیا "

"ذرا میری ایک بات سنئیے گا !"

"ہوں۔ ہوں" بیگم ابصار نے تنبیہہ کے طور پر سر ہلایا"

"مجھے منع مت کرو۔ خدیجہ۔ یہ بہت ضروری بات ہے" وہ بولیں۔

"کیا بات ہے" افتخار صاحب نے کہا"

"سنئیے۔ میں کل سے سامرہ کو کالج نہیں بھیجوں گی" بیگم افتخار نے کہا "بس بہت پڑھ چکی ہے۔ اب آپ اس کے لئے پیغام منگوا لیجئے۔ میں اسی سال اس کا بیاہ کر دینا چاہتی ہوں !"

سائرہ کے سر پہ چھت گر پڑی۔ ہکا بکا سی وہ ماں کی شکل دیکھنے لگی۔
"کیوں کیوں؟" افتخار صاحب بھی حیران دکھائی دئیے۔ "اچھا خاصا پڑھ رہی ہے وہ۔ کم از کم بی۔ اے تو کر لے۔ پلک جھپکتے دو سال ختم ہو جائیں گے۔ اس عرصے میں اللہ نے چاہا تو عمدہ رشتہ بھی مل جائے گا۔ ابھی سے کیا جلدی ہے؟"
"میں کچھ سننا نہیں چاہتی" وہ نہایت مستحکم لہجے میں گویا آخری فیصلہ کرتی ہوئی بولیں۔ "آپکو اسے بڑھا کرنا منظور ہے۔ کیجئے۔ بہر حال میں کل سے اسے پڑھنے نہیں بھیجوں گی!۔ ابھی خدا کا احسان ہے کہ اس کے دیدوں کا پانی نہیں مرا ہے۔ مگر کل کلاں کی ذمہ داری کوئی نہیں لے سکتا۔ زمانہ بہت بے حیائی کا ہے۔ جو لڑکی کبھی کسی لڑکے سے بات نہ کرے۔ وہ بھی اس کے دو بدو بیٹھ کر باتیں بگھار سکتی ہے۔ مجھے یہ پسند نہیں۔ آج سہیلی کے بھائی سے گفتگو فرمانے باہر پہونچی تھیں!"
"کیا۔ کیا۔؟" تقریباً چھ سات زبانوں سے نکلا"
سائرہ کا یہ حال تھا کہ جیسے بھرے بازار میں کسی نے اس کا لباس اُتار دیا ہو۔ وہ سوچ رہی تھی۔ کاش۔ یہ کرسی ہی اس کی قبر بن جاتی!"
"سہیلی کا بھائی؟" منصور نے پوچھا "کیا مطلب؟"
"مطلب اپنی بہن ہی سے پوچھو" بیگم غرائیں"
"سائرہ؟" منصور نے پکارا"
نجانے کتنی آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ اس کا چہرہ سفید، ہاتھ پاؤں برف اور دل فرنٹیئر میل بنا ہوا تھا۔ کئی صدیوں کی کوششوں کے بعد وہ بمشکل بول سکی"

" نانی بُوا نے ۔ مجھ سے کہا تھا ۔ کہ ۔ سہیلی کے پاس سے ۔ کاپی لینے لڑکا آیا ہے ۔ میں سمجھی ۔ سلمیٰ کا چھوٹا بھائی ۔ حمید ہو گا ۔ کئی بار ۔ آ چکا تھا ۔ مگر وہ ۔ اس کے بڑے ۔ بھیّا ۔ بھائی ۔ نکلے ۔ میں نے جان بوجھ کر ۔ کچھ نہیں کیا ! " وہ اچانک رو پڑی ۔"

جب تم نے دیکھا کہ وہ کم بخت بڑا بھائی تھا تو اسی وقت چلی آتیں اندر ۔" بیگم نے کہا ۔" اس سے باتیں کرنے کیوں بیٹھ گئیں ۔ باقاعدہ ۔ کمرہ کھولا ۔ روشنی کی ۔ اسے اندر بلا کے بٹھایا ۔ نہیں ۔ ساجرہ تم جھوٹ بکتی ہو ۔ اسی لئے تم میرے کہنے پر اپنی خالہ کے یہاں بھی نہیں گئیں ۔ تم لاکھ بہانے کرو ۔ مجھے تمہارا اعتبار نہیں ۔ اور آپ سب سنئے کہ یہ بات میں نے سب کے سامنے اسی لئے کہی ہے کہ اب سب چوکنّا رہیں ۔ مجھے اپنی لڑکی کی تذلیل منظور نہیں ۔ مگر وہ میری اکیلی نہیں ۔ سب کی ہے ۔ کوئی اس کا برا نہ چاہے گا ۔ لیکن اب کوئی مجھ سے یہ سفارش نہ کرے کہ میں اس کی تعلیم جاری رکھواؤں ۔ میں نے طے کر لیا ۔ اب وہ گھر بیٹھے گی اور رحیمن بوا سے سوزن کاری اور پکوان سیکھے گی ۔ جس گھر میں جائے گی وہ سب اس کا سلیقہ اور گھر داری دیکھیں گے ۔ یہ نہیں دیکھیں گے کہ بہو بیگم کون سی اعلیٰ ڈگری گلے میں لٹکا کے لائی ہیں ۔"

" ارے ارے ۔ بڑی پا ۔" پھوپھا ابا نے دخل دیا ۔" آپ آج خلاف معمول بہت خفا ہو گئی ہیں ۔ اب بس کیجئے ۔ دیکھئے وہ معصوم کس طرح رو رہی ہے ۔ معاف کر دیجئے ۔ اگر اس نے کوئی قصور کیا ہو ۔ بچے تو خطائیں کرتے ہی رہتے ہیں ۔ اب ہم تھوڑی بچّوں کے ساتھ بچہ بنیں گے !"

" معاف کر دیا میں نے اس کا قصور سید میاں ۔" بیگم نے جواب دیا ۔"

بس میرا جی چاہتا ہے کہ اب اسے اٹھا دوں۔ ماشاء اللہ اٹھارہ سال کی ہو چکی ہے۔ آگے پڑھانے کا میرا منشا نہیں ہے۔"

سائرہ کی گریہ وزاری اور اس کے ہچکی آمیز بیان پر سب نے یقین کر لیا تھا۔ وہ ایسی کیا نٹر کی تھی ہی نہیں۔ لیکن بیگم کے سرد غصے کے سامنے سب چپ ہو گئے۔ حتیٰ کہ افتخار صاحب بھی خاموش ہی رہے۔ اور کسی نے بھی کچھ نہ کہا۔ ایثار، منصور، یا ابصار صاحب تک نے نہیں کہا کہ اسکی تعلیم کا منقطع کرانا مناسب نہیں ہے۔ گویا کہ سب نے بیگم افتخار کے فیصلے پر سرِ تسلیم خم کر دیا تھا!"

اس روز وہ بڑے خاموش سے کمرے سے نکل کر چلے گئے۔ سائرہ تو جیتے جی مر رہی تھی۔ وہ باجی کے پاس بیٹھ کر خوب زار زار روئی۔ کمرے میں منصور، ایثار، وہ میری لڑکیاں اور ہشام تھے۔ سائرہ پہ ہمدردی کی نظریں ڈال رہے تھے۔"

باجی نے ایک ٹھنڈی سانس لی "میں کیا کروں سائرہ۔ ممی میری ایک نہ سنیں گی۔ ورنہ میں ان سے ضرور کہتی۔ اب تم بھی صبر کر لو بی بی۔ ممی سے زیادہ کچھ کہنا انہیں زیادہ غصہ دلانا ہے۔ وہ مانیں گی تو بھی نہیں۔"

اگر اپنی کلاس فیلو کے بھائی سے چند باتیں کر لیں تو ہوا کیا۔" ایثار احمد ناخوشگوار لہجے میں بولے "کون سی قیامت آگئی۔ ممی تو خواہ مخواہ رائی کا پربت بنا رہی ہیں۔ اچھی بھلی تعلیم غارت ہو گی۔"

"ممی کی یہی ڈکٹیٹر شپ مجھے بھی بے حد ناگوار لگتی ہے۔" منصور نے کہا۔ "اب میں تم کو کیا بتاؤں یار۔ ایک مرتبہ میری کلاس فیلو۔ کیا نام فلورا ڈیوڈ مجھ سے ملنے گھر پر آگئی تھی۔ وہ بھی کچھ کتابوں ہی کا معاملہ تھا۔ اُف توبہ۔

اس کے جانے کے بعد جیسے کچھ کچُے ممی نے میرے ادھیڑے ہیں۔ خدا کی پناہ۔ ذلیل، کمینہ، آوارہ۔ لڑکیوں کا دیوانہ اور نجانے کیا کیا بنا یا تھا مجھے۔ خدا کی قسم۔ میں تو رونے لگا تھا۔ کئی دنوں تک مجھ سے بات نہیں کی تھی۔ بڑی مشکل سے ہاتھ جوڑ کے اور پاؤں پڑ کے ممی کو منایا تھا۔ مطلب یہ کہ۔ ان معمولی سی باتوں سے بھی ممی حد سے زیادہ مشتعل ہو جاتی ہیں۔ کسی کی نہیں سنتیں بھائی جان۔ اب کیا میں کل سے کالج نہ جا سکوں گی؟" سامرہ تو بات کرتے آنسو بہا رہی تھی " دولہا بھائی۔ آپ کی خوب سنتی ہیں ممی۔ آپ ہی ان سے کہئے نا۔!"

"بٹیا۔ میں شروع سے ممی کو جانتا ہوں۔ ایثار احمد نے جواب دیا " وہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ بہت مانتی ہیں مجھے۔ مگر میں ان سے کوئی بات منوا نہیں سکتا۔ میں مجبور ہوں!"

کیا فائدہ کہ میں کچھ کہوں اور کچھ اور سن لوں" منصور نے بھی ہتھیار ڈال دیئے " تمہاری قسمت، بی بی۔ اب صبر کرو۔ وہ ڈیڈی ہی کو منھ کھولنے نہیں دیتیں۔ ہم کس شمار قطار میں ہیں؟"

غرضیکہ وہاں کھچڑی پکتی رہی۔ پھر بہت دلاسے دے کر منصور اور ایثار چلے گئے۔ ماہرہ نے بھی دلاسہ دیا۔ شاید ممی کا غصہ ہفتے عشرے میں ٹھنڈا ہو جائے تو اپنا فیصلہ واپس لے لیں۔ مگر اس کی اُمید کچھ کم ہی تھی!

ہشام بھی بڑی دلدوز آہیں بھرتا ہوا اٹھ گیا۔

حسب معمول گیارہ بارہ بجتے بجتے سب اپنی اپنی خوابگاہوں میں چل دیئے۔ گھر پہ سناٹا طاری ہو گیا۔

اور پھر کچھ دیر بعد موسم تبدیل ہونے لگا۔ تیز ہوائیں درختوں کو جھنجھوڑتی

ہوئی چلنے لگیں۔ پانی کی بوچھار اس طرح ٹین کے سائبان پر پڑ رہی تھی جیسے اولے گر رہے ہوں۔ پھر ہوا کے ایک طوفانی جھکڑ کے ساتھ بارش شروع ہوگئی۔

سامرہ کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ رات کی رات میں ایسا تکلیف دہ انقلاب اس کی زندگی میں آگیا تھا کہ اس کا تجزیہ کرنے سے وہ قاصر تھی۔! اس پر ایک ناپاک بہتان لگا۔ اس کی اچھی بھلی تعلیم کا ناس ہوگیا۔ اور مزہ یہ کہ کوئی اس کی طرف سے بولنے والا نہ تھا۔ رہ رہ کر اس پر غصہ آندھی طوفان کی طرح چڑھ آتا۔ وہ عجیب عجیب خوفناک منصوبے بناتی۔ پھانسی دے لے خود کو۔ ممی کو اس طرح سزا دی جاسکتی ہے۔ سہ منزلے سے نیچے سڑک پر کود جائے۔ چوڑیاں پیس کر پی لے۔ مگر نہیں۔ پھانسی کا پھندا اگر کس کے نہ لگ سکا۔ سڑک پر کودنے سے بچ بچ کھوپڑی چٹخ گئی یا چوڑیوں کی کانچ سے آنتیں کٹ گئیں تو پھر۔؟

پھر! یہ کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں سب کے نظریے بدل جائیں۔ غلط قسم کی لڑکی تھی۔ جانے کیا کھیلا کیا تھا کہ خودکشی کرلی۔

اونھ۔ سب واہیات۔ سب بکواس۔ وہی ہوگا جو ممی کو منظور ہوگا۔ غصے کی بھٹی اس کے اندر سلگ اٹھی۔

اپنے دماغ کو سکون پہونچانے وہ برآمدے میں نکلی۔ یہاں سے وہاں تک طویل برآمدہ مدھم سے بلب کی ٹمٹماتی روشنی میں سنسان اور بھیانک معلوم ہورہا تھا۔ اس نے آسمان پر نظر کی۔ اور کلیجہ کپکپا گیا۔ کتنا ہولناک ہورہا تھا آسمان۔ گھٹا ٹوپ کالے کالے بادلوں سے چھپا ہوا۔ باغ کے اونچے درخت بے چارے ارضی وسماوی آفات جھیلنے اور برہم و خشمناک عناصر قدرت کا مقابلہ کرکے بار بار شکست خوردہ انداز میں زمین کا منھ دیکھ

رہے تھے "

یک بیک پانی کا ایک بلبلہ سا اس کے چہرے پہ لگ کے پھٹ گیا۔ اسکے لبوں سے ننھی سی چیخ نکلی "

"کون ہے " سائرہ نے ہشام کی آواز سنی۔ تن بدن سلگ اٹھا۔ یہ یہاں کیا کر رہا ہے۔ سو کیوں نہ گیا۔ کیا اب یہ بھی جان جلائے گا؟ "

سائرہ شدید غصّے کے مارے چپ کھڑی رہی۔ حتیٰ کہ وہ خود پاس آیا اور سائرہ پہ نظر پڑی تھی کہ اچھل پڑا۔

"تم ہو!" وہ جھینپی سی ہنسی ہنس کر بولا "ہائے اللہ۔ میں تو ڈر ہی گیا تھا۔ ایک رات یہیں میں بھوت کے سائے سے ڈر چکا ہوں!"

"آپ خود ایک بھوت ہیں" سائرہ ضبط نہ کر سکی "جائیے یہاں سے۔ میں اکیلے میں کچھ سوچنا چاہتی ہوں!"

"ایک سے دو بھلے۔ کیا سوچنا چاہتی ہو مجھے بتاؤ۔ تاکہ میں بھی تمہارے ساتھ سوچوں!"

"اب کیا آپ کلیجہ سلگائیں گے" وہ گلوگیر لہجے میں بولی "میں اپنی قسمت پہ رو دوں گی۔ کل تک سب کی من چاہی تھی۔ آج من اُتری ہو گئی ہوں۔ اللہ میاں نے یہ کیا حرکت کی میرے ساتھ" وہ رو پڑی۔

"ارے ارے" ہشام نے بصد مشکل اپنی ہنسی ضبط کی اور بولا "تم کسی طرح من اتری نہیں ہوئیں تھیں۔ آگے نہ پڑھنا کوئی ایسی قیامت خیز بات نہیں ہے۔ ہاں یہ البتہ تم پہ ظلم ہوا کہ تم کالج کی سہیلیوں سے مل کر گپیں ہانکنے، نئے نئے فیشن سیکھنے اور فلم کی اسٹوریاں سننے سے قطعی محروم ہو گئیں اور کچھ نہیں ہوا "

آپ کو علم کی کیا قدر۔" جل کر سارہ نے کہا۔" جیسے آپ اپنے لفنگے دوستوں میں گھل مل کر بیہودہ فلموں کی اسٹوریاں سنتے ہیں۔ ویسا ہی آپ دوسروں کو بھی سمجھتے ہیں۔ سہیلیوں پر مٹی پڑے۔ انہی کی بدولت یہ دن دیکھنا پڑا۔ مجھے تو فقط بی۔ اے نہ کرنے کا غم ہے۔ ہائے کیا ارمان تھا۔ میرے نام کے ساتھ سارہ افتخار بی۔ اے لکھا جائے گا۔ مگر اب کیا خاک پتھر لکھنے کو ہے!"

ارے کاہے کا غم یار۔ گولی مارو" ہشام نے بڑی بشاشت سے کہا" تم ٹسوے بہاتی ہو۔ مجھے ہنسی آتی ہے۔ بھلا پڑھائی لکھائی بھی کوئی چیز ہے نامُراد۔ مجھے دیکھو۔ ایسا کوئی روگ ہی نہیں پالا میں نے۔ تبھی تو مزے میں ہوں۔ ڈٹ کر گھی، دودھ، ملائی، اور انڈے کھاتا ہوں۔ پہلوان بن رہا ہوں۔ تم بھی ایسا ہی کرو۔ مگر تم کیا کر سکو گی۔ چچی اماں نے تو حکم فاسق دے دیا ہے کہ!"

حکم ناطق!" دانت پیس کر سارہ نے تصحیح کی۔

وہی سہی۔ جو تم کہو وہی درست ہے" ہشام نے کہا" میں کہہ رہا تھا کہ چچی اماں نے کہہ دیا ہے کہ تمہارا بیاہ کر دیں گی۔ ہاہ۔ ہاہ۔ دل پر ایسا گھونسہ لگا ہے کہ بس کہہ نہیں سکتا۔ کیا سوچا تھا۔ کیا ہو گیا۔ ارے خدایا"

اس نے ایک دلدوز آہ بھری اور شعر عرض کیا ؎

اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

"بیچ کہتی ہوں ہشام بھائی۔ میں آپ کو مار دوں گی۔ میرا دل دماغ قابو میں نہیں ہے۔ آپ کیا بکواس کر رہے ہیں۔ میری حالت پر آپکو ہنسی آرہی ہے۔

آپ جاہل مطلق اَن پڑھ ہیں۔ آپ کو علم کی کیا قدر۔ کچھ پڑھے لکھے ہوتے تو میرے دل کی حالت کا اندازہ ہوتا۔ آپ یہاں سے چھوٹیے اور مجھے اکیلے میں سوچنے دیجیے۔ وہ جلی بھنی سی بولتی چلی گئی۔

پتہ نہیں۔ تم کو چچی اماں کہاں جھونک دیں" ہشام نے کہا۔ مگر سارہ۔ سچ کہو۔ کیا۔ تمھیں۔ مجھ سے۔ مطلب یہ کہ۔ میں تمھیں بالکل اچھا نہیں لگتا؟" ہنسی سے لرزتی آواز کو اس نے کھانسی میں چھپا لیا۔

سارہ اُسے خونخوار شیرنی کی طرح گھورنے لگی" آپ اچھے لگیں گے مجھے؟" کبھی آئینے میں اپنی چپٹی کلوٹی شکل بھی دیکھی ہے؟"

خیر جی۔ شکل کو مارو گولی" وہ کھانس کر بولا" تم تو میری سنہری سیرت کو دیکھو۔ تمہارا ابن عم ہوں۔ نیک ہوں۔ صاحب جائیداد ہوں، تم سے کم پڑھا لکھا ہوں۔ ہمیشہ تمہارا فرماں بردار بنا رہوں گا!"

" ہشام بھائی" وہ تلملا کر چیخی" کیا آپ میرا مذاق اڑانا چاہتے ہیں!" اس میں مذاق کی بات کون سی ہے" ہشام نے جواب دیا" آخر تمہاری شادی ہوگی ہی۔ کسی غیر آدمی سے تو میں لاکھ درجے اچھا ہوں۔ صرف ایک پڑھائی کی طرف سے مارا گیا ہوں تو کیا۔ نیک بیوی۔ اپنے میاں کا ہر عیب چھپا لیتی ہے!"

دھڑاک سے اس کے نازک نازک گھونسے ہشام کے سینے پر پڑے۔ وہ دو تین قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ سارہ پھر جھپٹی۔ مارے غصے کے اب تو بھوت بن گئی تھی۔ ہشام نے ہنستے ہوئے اس کے ہاتھ پکڑ لئے۔ مگر آپے سے باہر ہو کر سارہ نے ہاتھ چھڑائے اور رحیمن نانی سے سنے ہوئے کوسنے دینے لگی!۔ اور جب وہ غصے کی بے بسی میں یکبارگی رونے لگی

تب ہشام بھاگ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔"
جیسے کہ ماہرہ کا خیال تھا۔ بیگم افتخار کا اشتعال کبھی نہ کبھی سرد پڑ جائے گا سو ایسا نہ ہوا۔ وہ اپنے آخری اور قطعی فیصلے پر اٹل رہیں۔ ان میں اور دوسروں میں جانے کیا کیا باتیں ہوئی تھیں کہ بیچ بیچ سامرہ کے لئے ایک پیغام آگیا۔ منصور کے وائس چانسلر صاحب نے بھجوایا تھا۔
بیگم افتخار پھولی نہ سمائیں: "پہلا مول سونے کا تول۔ اگر منصور کے چانسلر صاحب نے بھجوایا ہے تو پھر تفتیش وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ آنکھ بند کر کے قبول کر لو۔"
منصور حیران تھے: "مگر انہیں پتہ کیسے چلا۔ میں تو یونیورسٹی کو خیر باد کہنے کے بعد سے آج تک دوبارہ ان سے ملا ہی نہیں ہوں!"
"میں نے بھی اس قسم کا کوئی تذکرہ نہیں کیا!" ایثار احمد بھی متعجب تھے۔
"کچھ بھی ہو۔ انہیں الہام ہوا ہو گا!" بیگم نے کہا۔ "اب میں اس رشتے کو چھوڑنے والی نہیں۔" انہوں نے شوہر کو متوجہ کیا۔ "آپ سنتے ہیں ان سے جا کر ملئے یا انہیں اپنے ہاں دعوت دیجئے۔ پھر میں ان سے خود بات کر دوں گی!"
"میں بے چاروں کو جانتا پہچانتا تو ہوں نہیں" افتخار صاحب بولے۔ "یہی حال ان کا بھی ہے۔ دعوت دینے کا کوئی تک بھی ہو آخر۔"
"منصور بلا لائیں گے۔" وہ بولیں۔
"مگر ممی پہلے معلوم تو ہو کہ آخر ان کی طرف سے جو پیغام آیا ہے۔ وہ آخر ہے کیا۔ اور آخر ———!"
"آخر آخر کیا کر رہے ہو!" ممی جھلائیں۔ "یہیں بیٹھے بیٹھے تو سب کچھ پتہ چلے گا نہیں۔ تم جاؤ۔ ان سے ملو اور انہیں صاف صاف دعوت دو۔

پھر سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ ان سے تم سب مل کے پوچھنا کہ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ ہم ایک رشتے کی تلاش میں ہیں!"

پھوپھا ابا جو وہیں بیٹھے اخبار دیکھ رہے تھے۔ بول اُٹھے "بھائی مجھے اب یاد آیا۔ یونیورسٹی کے صدر صاحب سے۔ مطلب یہ کہ چانسلر صاحب سے میں نے اس بارے میں گفت و شنید کی تھی"

تم نے۔؟" کئی زبانوں سے بے اختیار نکلا۔ ناممکن سی بات تھی۔ بھلا پھوپھا ابا جیسے بھلکڑ نے رشتے ناطے کی بات کہاں یاد رکھی ہو گی۔ چنانچہ پھوپھی نے مشکوک انداز میں استفسار کیا۔ پھوپھا کچھ سوچنے لگے پھر بولے:

"یہ یاد نہیں آرہا ہے کہ کس نے۔ توجہ دلائی۔ اور کس نے ان محترم سے ملایا تھا مجھے۔ ہاں۔ وہ کسی صاحب کا دیوان خانہ تھا۔ جہاں ہم سب بیٹھے شطرنج کھیل رہے تھے۔ تبھی میں نے صدر صاحب سے تذکرہ کیا تھا۔ وہ جھٹ سے بول اٹھے تھے کہ۔ ایک رشتہ تو ہے میرے اپنے طالب علم کا۔ میں نے گذارش کی کہ جناب پھر بجھوائیے۔ چنانچہ انھوں نے بھجوا دیا۔ اچھا ہاں۔ لڑکے کا نام نسب نامہ کچھ بھجوایا ہے کہ نہیں؟"

کہاں؟" پھوپھی نے کہا "صرف بھائی صاحب کے نام اس مضمون کا رقعہ آیا ہے کہ ایک پیغام کی نشان دہی کر سکتا ہوں۔ تفصیل سے آگاہ فرمائیے کہ کس قسم کا لڑکا مطلوب ہے؟"

کیا؟۔ لاحول ولاقوۃ" ابصار صاحب بولے "اماں کس قسم کا کیا؟ ہم لڑکے کے سر پہ سینگ بھی چاہتے ہیں گویا!"

"مطلب یہ کہ بھئی ذات پات۔ تعلیم۔ خاندان، ملازمت۔ ارے کوئی ایک چیز ہوتی ہے دیکھنے دکھانے کی!" افتخار صاحب نے کہا"

آج کل تو حال یہ ہے کہ اچھے خاصے کھاتے پیتے گھرانے کے لڑکے زیادہ کمائی کی ہوس میں باہر بھاگے جا رہے ہیں۔ ان کا مطلب استفسار سے یہ ہوگا کہ باہر کا لڑکا تو نہیں چاہیئے۔ لاکھوں طالب علم ہوں گے ان کے۔ اچھا تو میں ان کے خط کا کیا جواب دوں؟۔ وہ یقیناً جواب کے منتظر ہوں گے۔ مگر بھئی سیدمیاں تم نے یہ کام کیا خوب!"

"جواب یہ دیجئے کہ منصور کے ہاتھ کہلوا بھیجئے کہ آج فلاں وقت یا کل پرسوں جناب غریب خانے پر تشریف لا کر چائے نوش فرمائیں!" پھوپھی بولیں۔

"چائے۔ ارے آج ابھی تک چائے نہیں بنی" پھوپھا چونکے "یہی تو میں سوچ رہا تھا کہ صبح سے سر میں درد کیوں ہو رہا ہے۔ بھئی چائے بنواؤ"

آپ پی چکے ہیں۔ اب کھانے کے بعد ملے گی" پھوپھی بور ہو گئیں

ارے سلیمہ۔ بھئی غرض اپنی ہے بیٹی!" افتخار صاحب نے کہا "میں انہیں اپنے گھر پر زحمت نہیں دے سکتا۔ فی الحال تو خط لکھ کر اور ان کا بہت بہت شکریہ ادا کر کے لڑکے کا نسب نامہ منگواتا ہوں کیا خیال ہے؟"

اچھا یہی سہی۔ پھر ابکی اتوار کو اللہ رکھے ماہرہ کے چلّے کا نہان ہے۔ اسی سلسلے میں ان کی دعوت بھی کر دیں گے" بیگم نے کہا"

اللہ ممی۔ ہائے" ماہرہ نے دل تھام لیا "انہیں پتہ نہ چلے کہ یہ میرے چلّے کی دعوت ہے۔ توبہ!"

نہیں نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں کہیں گے" منصور نے کہا"

ان سب میں اس قسم کی کانفرنس عموماً رات کے کھانے پر ہوا کرتی تھی۔ اب بھی طعام خانے ہی میں باتیں ہو رہی تھیں!" ساہرہ یہاں موجود نہ تھی۔ اس نے اپنے کمرے سے نکلنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ ا رات کے ساڑھے نو بج

چکے تھے !" دفعتہً ابصار صاحب نے کہا "ہشام صاحب آج پھر غائب ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری ڈانٹ پھٹکار کا اثر جاتا رہا۔ اب ایک مرتبہ پھر ڈوز پلانا چاہیئے مجھے تو آں عزیز کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ والدہ محترمہ نے شہہ دے دے کر گدھے کو شیر بنا دیا ہے۔ حد ہے کہ بھائی صاحب کی نصیحت بھی صاحبزادے پلو جھ کے پھینک دیتے ہیں۔ میرا کیا ہے۔ خود پچھتائیں گے۔ اماں جان سر پکڑ کر رو دیں گی۔ میں کہتا ہوں۔ اس نکھٹو کی مصروفیات کیا ہیں۔ آدھی رات تک دوستوں میں کیوں دفن رہتا ہے ؟"

آج تو بھیا ڈھائی بجے ہی سے گھر میں نہیں ہیں" صدف بولی "

" میٹنی شو پھر فرسٹ شو ملاحظہ فرما کے اطمینان سے آئیں گے !" افتخار صاحب نے کہا " حالانکہ میں نے بیوقوف سے کہدیا تھا کہ اس طرح گھر سے باہر رہو گے تو ٹخنے اتار دوں گا !"

ایک دفعہ اُتار ہی دیجئے بھائی صاحب" بیگم ابصار زچ ہو کر بولیں " کم از کم ایک جگہ ٹک کے تو بیٹھے۔ نامُراد۔ جلے پاؤں کی بلی کی طرح مارا مارا پھرتا ہے۔ نگوڑے کے دوست ہی کون سے ہیں۔ ایک تو وہ موچی ہے۔ اس سے بہت گاڑھی چھنتی ہے۔ دوسرا یہ مرا گدھا دمضانی۔ ساتھ ساتھ سینما جاتے ہیں "

اچھا میں منع کر دوں گا !" افتخار صاحب نے کہا۔

ان سب کے اِدھر اُدھر ہونے کے بعد بے چاری بیگم ابصار چپکے سے آ کر صدر دروازے میں کھڑی ہو گئیں۔ ماں کا دل تھا۔ ڈر رہی تھیں کہ ہشام کے آنے کے ساتھ ہی کہیں افتخار صاحب تیچی ے گر نہ پل پڑیں۔ وہاں انہوں نے اچانک اشہر کو دیکھا کہ چپراسی کے اسٹول پر بیٹھا پڑھ رہا تھا "

میاں اس جگہ بیٹھ کر پڑھ رہے ہو!" وہ حیران ہوئیں۔

جی" وہ مدھم لہجے میں بولا "شامی بھیا کا انتظار کر رہا ہوں آئیں گے تو جھٹ آگاہ کر دوں گا کہ ان کی شامت نے آواز دی ہے کہیں چھپ جائیں۔ مگر میں پوچھتا ہوں چھوٹی چچی یہ آخر اتنی اتنی رات تک باہر کیا کیا کرتے ہیں!؟"

وہ اس کی محبت پر نثار گئیں۔ اور اسی جوش میں پچاس گالیاں بیٹے کو عطا کر دیں۔

آپ جائیے آرام کیجئے۔ میں یہاں بیٹھا ہوں۔ انہی کو خبردار کرنے کے لئے آپ یہاں آئی ہیں شائد!"

اور کیا۔ نامراد نے ایک دن "ان" کے جوتے کھائے تھے۔ چار دن بستر سے ہل نہ سکا تھا۔ مگر سب کچھ بھول جاتا ہے۔ آج سختی سے پوچھوں گی۔ تھا کہاں؟"

وہ اُدھر گئیں۔ اور پانچ ہی منٹ بعد ہشام نے دروازے میں قدم رکھے۔!

شامی بھائی۔ اشہر نے سرگوشی کی "ڈیڈی ہنٹر لئے آپ کے منتظر بیٹھے ہیں۔ جلدی سے جا کے چھپ جائیے کہیں"

"اوہ" اس کے منہ سے سیٹی کی آواز نکلی۔ ایک منٹ اشہر کے منہ کو تکتا رہا پھر جھک کر جوتے اتارے۔ اور پنجوں کے بل اندھیرے میں بھاگتا منصور کے کمرے تک آیا۔ ابھی وہ لوگ سوئے نہ تھے۔ دروازہ کھلا تھا۔ پردہ ہواؤں سے جھوم رہا تھا اور روشنی باہر آ رہی تھی۔ اسے توپ کے گولے کی طرح اندر آتے دیکھکر منصور اور نجمہ دونوں اچھل

پڑے۔
یا وحشت۔" نجمہ نے ڈانٹ دیا: "اس طرح آتے ہیں کیا۔ ابھی پردے سے اٹک
کر منہ کے بل آ رہتے زمین پر۔ شامی! یہ تم نے اپنا وطیرہ کیا بنا رکھا ہے۔
اس وقت آ رہے ہو باہر سے؟" منصور گرجے:
"خدا کے لئے بچا لیجئے" وہ گڑگڑایا: "آج میرے شامی کباب بن جائیں گے۔
چچا ابا ہنٹر لئے میرے منتظر بیٹھے ہیں۔ لوگ کسی کے لئے پھولوں کا ہار۔ پھولوں
کا گلدستہ تیار رکھتے ہیں۔ یہاں ہنٹر۔ ہنھ!"
"میں خود جا کے ڈیڈی کو اطلاع دیتا ہوں تم ساڑھے دس بجے رات کو
آوارہ گردی کر کے آئے ہو اور میرے کمرے میں چھپے ہو" منصور نے اٹھتے
ہوئے کہا: "پھر وہ خود تم سے پوچھ لیں گے۔ تم کہاں تھے اب تک؟"
"ہائے ہائے۔ آپ کے پاؤں پڑتا ہوں بھائی جان" وہ بلبلایا
"سنی تم نے اس کی ہائے ہائے؟" وہ نجمہ سے بولے۔ اور اٹھنے لگے۔
"اللہ جانے بھی دیجئے!" نجمہ نے کہا۔ پھر اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر اس
کی کھوپڑی کو جھکولے دیتی ہوئی بولیں: "دل چاہتا ہے میں بھی حلال کر کے
پھینک دوں۔ نجانے کیسا بے غیرت ہے۔ سب کے جوتے کھاتا ہے اور
اپنی مرضی کر کے رہتا ہے۔ آوارہ ذلیل بدمعاش۔ کچھ کھایا ہے کہ دوڑ رہے
ہیں پیٹ میں چوہے؟"
وہ سی سی اور اُف اُف کرتا بال سلجھاتا مسہری پر ٹک گیا اور دردناک
آواز میں بولا:
"چوہوں کے پیچھے بلیاں بھی بھابی جی"
"جاؤ اپنے کمرے میں۔ نگلنے کے لئے کچھ لے آؤں!" وہ اٹھیں۔

خدا کے لئے۔ اس وقت باہر مت ہنکائیے مجھے۔" ہشام پھر گڑگڑایا "چچا ابا بس آپ ہی کے کمرے میں نہیں آئیں گے۔ اتنا مجھے یقین ہے۔"

نجمہ بُرا سا منہ بنا کر چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد وہ ہاتھ جوڑ کر منصور کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ اسے قہر آلود نظروں سے گھور رہے تھے۔

"بھائی جان۔ جان کی امان چاہتا ہوں۔ آج سالے تین چار دوست پٹنگ اور MATINEE فرسٹ شو میں گھسیٹ لے گئے۔ کل سے اگر ایسی غلطی کروں تو جو کولھو کے بیل کی سزا وہ میری سزا۔"

"موچی، قصائی اور رکشے والوں کی صحبت میں تمہارا اخلاق اور زبان سب تباہ ہو رہا ہے۔" منصور نے کہا۔ "صحیح لفظ میٹنی ہے۔ اس کے معنی ہیں۔ دوپہر۔ سمجھے!"

"موچی!" اس نے خوشامدیوں کی طرح دانت نکالے۔ اور جیسے کہ اب جان میں جان آئی ہو۔ ایک طرف جا بیٹھا۔

نجمہ کھانا لائیں۔ پھر اس نے بے چاری سے چائے کی فرمائش کی۔ وہ بھی بنا لائیں۔ رات کے پونے بارہ بجے جب منصور نے گردن میں ہاتھ دیکر اسے کمرے سے نکالا ہے تو سارے گھر میں سونا پڑا تھا۔ افتخار صاحب بھی غالباً سو چکے تھے۔ چند لمحے وہ کھڑا سن گن لیتا رہا اور پھر پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔"

دوسرے روز گھر میں جانے کس تقریب کی تیاری تھی کہ ہشام کی کھال کے ادھیڑنے کا پروگرام کسی اور موقعہ کے لئے اٹھا رکھا گیا!۔ اور وہ خود بھی نیک ہونہار اور سعادت آثار بنا سب کے سامنے ہی سامنے ناچتا رہا!! گھر میں سفیدی ہو رہی تھی۔ صفائی ہو رہی تھی۔ مزدور کام کر رہے

تھے بڑی اکھاڑ پچھاڑ مچی تھی۔ کچن میں ہشام کا سامنا سامرہ سے ہوا تھا۔ وہ اب بھی گم صم اور ندامت زدہ سی تھی۔ فیروزی رنگ کے ملگجے لباس میں لپٹی عجیب سی سوگوار لگ رہی تھی۔ بال بکھرے ہوئے۔ چہرہ اترا ہوا۔ اس پر جو انقلاب گزرا تھا وہ بہت پائیدار اثرات چھوڑ گیا تھا!"

اس نے ہشام کو دیکھا۔ کیسا ترو تازہ۔ شگفتہ، ہشاش بشاش لگ رہا تھا اچھا خاصہ موٹا تازہ تو وہ تھا ہی۔ اس وقت بڑے پائنچوں کے پاجامے اور سفید ڈھیلے ڈھالے کرتے میں تو زیادہ تندرست اور عمر سے بڑا لگ رہا تھا۔ اس کے لبوں پر ایسی مسکراہٹ تھی کہ سامرہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی!"

اس نے نہایت نفرت سے اس کی طرف سے منھ پھیر لیا اور بُوا سے بولی

"دے دیجئے مجھے رات کے باسی دو کباب اور دو پھلکے۔ یہی بہت ہے۔ اب توس مکھن اُبلے ہوئے انڈے اور جیلی و ملی کے نخرے مجھے نہیں چاہئیں۔ کچھ دیر بعد رمضانی کے ہاتھ سے چائے البتہ بھجوا دیجئے گا!" وہ بُوا کے ہاتھ سے اپنا ناشتہ لے کر چلی گئی"

یہ ہو کیا رہا ہے۔ نانی اماں" اس نے بُوا سے پوچھا "میرے آپ کے بیاہ کی تیاریاں تو نہیں ہیں کہیں؟"

نانی اگرچہ ستّر کے لگ بھگ تھیں۔ مگر اس مذاق کو ہمیشہ سنجیدگی سے لیتی تھیں۔ برا مان کر بولیں "ہاں اور کیا۔ اسی لئے تو پیروں پر ڈال کر نہلایا دھلایا۔ سینے پر لٹا کر سلایا۔ اور بڑا کرتے ہیں نگوڑے بال پکا لئے کہ اللہ رکھے تم جوان ہو گے تو تمہی سے بیاہ رچاؤں گی" وہ روٹی بیلتی ہوئی بولیں "بیاہ تو خدا کے فضل سے ہوگا ضرور۔ تمہارا نہ سہی۔ بٹیا کا سہی۔ کل تو میاں بڑی بٹیا کا چلّہ ہے۔ شام کو دعوت ہے۔ کوئی صاحب

ہیں وہ سامرہ بٹیا کا رشتہ لا رہے ہیں۔ ان کی دعوت ہوگی!" یہ ساری دھوم دھاڑ اللہ رکھے اسی کی ہے"

اچھا اچھا۔ سامرہ بٹیا کا رشتہ آرہا ہے۔ مبارک مبارک۔ لائیے اس خوشی میں گرما گرم ناشتہ اور کیا نام کافی" وہ بے حد خوش ہوگیا"

دو دن بڑے مصروفیت کے گزرے!۔ دوسرے دن ماہرہ کا چلّہ ہوا۔ چھوٹی موٹی تقریب تھی۔ ہنگامہ تھا۔ سب مگن تھے۔ اور اس رات ہشام پھر مغرب سے جو غائب ہوا تو بدستور دس بجے رات کو واپس آیا۔ لیکن ہوا یہ کہ دن بھر کے ہنگامے سے تھک کر سب آرام کر رہے تھے۔ کسی نے اس کی خبر نہ لی۔ وہ چپکے سے اپنے کمرے میں چلا گیا"

تیسرے روز جیسے بے موسم عید آئی تھی"

صبح ہی سے دعوت کا سامان ہونے لگا!۔ منصور جا کے اپنے چانسلر صاحب سے مل کے ان کی خدمت میں اپنے والد صاحب کا خط پہونچا آئے تھے۔ اور انہوں نے افتخار صاحب کی دعوت قبول کر لی تھی۔ بیگم افتخار بہت مسرور تھیں۔ اور نہائت خوش خوش دعوت کی تیاری میں اِدھر اُدھر پھر رہی تھیں!"

پانچ بجتے بجتے انہوں نے سب انتظام مکمل کر لیا۔ اور ہشام کو بھی الٹی میٹم مل گیا کہ لڑکوں کے ساتھ اسے بھی مہمانوں کو "سرو" کرنا ہے۔ لہٰذا اگر آج وہ باہر گیا تو قطعی اس کی ٹانگیں توڑ ڈالی جائیں گی!"

نن۔ نہیں" وہ گھبرا کر ہکلایا" میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ ٹانگیں ٹوٹنے کا دردناک منظر مجھ سے نہ دیکھا جائے گا!"

پانچ بجے شام کو گھر کے سب مرد باہر ڈرائنگ روم کے سامنے قرینے سے

بچی کرسیوں پر جا بیٹھے۔ چوکیدار نے پورا پھاٹک کھول دیا۔ اور پتھر کے بُت کی طرح اپنے اسٹول پر اٹین شن ہو بیٹھا۔

غنیمت تھا کہ مطلع صاف تھا۔ البتہ چھوٹے چھوٹے سفید بادلوں کے گالے ہواؤں کے دوش پر اُڑے جا رہے تھے اور بہت بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ باغ کا منظر بھی بے حد دلکش ہو گیا تھا۔ ہری ہری دُوب پر جگہ جگہ رنگیں پھولوں کے پودے تھے اور بہت خوشنما معلوم ہو رہے تھے۔ بیچ میں شفاف چمکیلی روش تھی۔ وہ جاتی ہوئی دھوپ کے عکس میں چمکتی بے حد شاندار لگ رہی تھی!

افتخار صاحب نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی "سوا پانچ ہو رہے ہیں"

"فرض کیجئے کہ اگر وہ صاحب کوئی پیغام لے بھی آئے تو کیا آپ واقعی لڑکی کو بیاہ دیں گے؟" انصار صاحب نے پوچھا۔

عجیب ضد ہے بھئی بیگم کی بھی" افتخار صاحب نے آواز دبا کر کہا "رات پھر اسی بحث میں الجھی رہیں۔ ان کا تقاضہ شدید ہے۔ اچھا ہے اس الجھن سے نجات ملے۔ شادی تو اس کی کرنی ہی ہے آج نہ سہی کل سہی۔ پتہ نہیں وہ کون الّو کا پٹھا تھا۔ جس نے سارہ سے مل کے یہ پہاڑ ڈھایا۔ بے چاری بچی منزے میں پڑھ رہی تھی۔ لاحول ولاقوۃ!"

دفعتہً سڑک پر ایک کار نظر آئی اور وہ اسی پھاٹک میں مڑ گئی۔ سب یکبارگی اٹھ کھڑے ہوئے اور لپک کر زینے سے اتر کر روش کے کنارے آ کھڑے ہوئے۔ چوکیدار لپکا۔ کار کے رکتے ہی پٹ کھولا۔ منصور نے بڑے ادب سے جھک کر تقدیم کی اور بڑی تمکنت اور شان سے وائس چانسلر صاحب اوپر ڈرائنگ روم میں تشریف لائے۔ منصور نے تعارف

کرایا۔"

سب اطمینان سے بیٹھ کر مختلف باتیں کرنے لگے۔ ملکی سیاست، بڑھتی ہوئی گرانی۔ آج کل کی تعلیم کا گرتا ہوا معیار! طلباء میں تعلیم سے دلچسپی کا فقدان اور متلاشیان روزگار کا ملک سے باہر جانے کا رجحان۔ غرض یہ کہ کوئی مبحث ایسا نہ تھا کہ جس پر ان سب میں تنقید و تبصرہ نہ ہوا ہو۔"

چانسلر صاحب بڑے زندہ دل، خوشمزاج اور بے تکلف ثابت ہوئے۔ یوں سب میں گھل مل گئے جیسے ان سب سے بہت دنوں کی جان پہچان ہو۔ بات بات پر زندگی سے معمور اونچے اونچے قہقہے۔ لطیفے، اگر ان لوگوں نے چانسلر صاحب کو بے حد پسند کیا تو چانسلر صاحب بھی ان لوگوں سے ملکر خاصے مسرور لگ رہے تھے۔"

پھر اسی دوران میں ملازمین چائے لے آئے!۔ اور چائے کی میز پر اصلی موضوع چھڑ گیا!"

جی ہاں!" انہوں نے بڑی فراخدلی سے مرونٹ کیک کا پورا پیس اٹھا کر کھاتے ہوئے کہا" مجھ سے جناب سید صاحب نے تذکرہ کیا تھا۔ اور" اس موقعہ پر پھوپھا ابا خاصے بھونچکا دکھائی دئے۔ اور اپنی گھبراہٹ چھپانے کے لئے جلدی جلدی پیسٹری سے انصاف کرنے لگے!"

"میری نگاہوں سے بہت سے اچھے اچھے طلباء گزرے ہیں"

چانسلر صاحب نے کہا" کئی تو ایسے عمدہ اخلاق و صورت کے تھے کہ میرا دل بے اختیار چاہتا تھا انہیں اپنا داماد بنالوں۔ مگر افسوس کہ میری کوئی لڑکی نہیں"

یہ کہہ کر انہوں نے بڑا سا قہقہہ فضا میں لڑھکایا!"

خیر جناب۔ یہ بچی بھی تو آپ ہی کی ہے " ابصار صاحب نے کہا "
بے شک بے شک " انہوں نے کہا " ذرا بھنے ہوئے کاجو کی پلیٹ ادھر سرکائیے۔ مجھے یہ کاجو بہت پسند ہیں۔ گھر جاتے ہوئے کئی پیکٹ خرید کر لے جاتا ہوں۔ شکریہ۔ ہاں صاحب۔ یہ بچی بھی میری بچی ہے اور وہ بچہ بھی گویا میرا ہی ہے !"

جی۔ !" افتخار صاحب بولے "

" آپ نے اسم نویسی کا مطالبہ فرمایا تھا " وہ بولے " چنانچہ میں لے آیا ہوں لیکن اس کی چنداں ضرورت نہیں۔ آپ کو میرا اعتماد کرنا چاہیئے۔ جب میں کسی لڑکے کی سفارش کرتا ہوں تو اس کی نسبت کسی غلط فہمی کو دل میں جگہ دینا ممکن نہیں۔ جناب۔ لڑکا تعلیم یافتہ، ہونہار، شریف، اور اعلیٰ خاندان سے منسلک ہے۔ فی الحال برسر روزگار نہیں ہوا ہے۔ مگر اس کی تعلیمی اٹھان کو دیکھتے ہوئے یہ پیشین گوئی کی جا سکتی ہے کہ عنقریب ایک عمدہ ملازمت خود ہاتھ باندھے اس کی خدمت میں حاضر ہو جائے گی !۔ چائے میں کیا دیر ہے ؟"

" جناب والا۔ یہ کری پفس آپ نے چھوئے بھی نہیں !" ابصار صاحب نے کہا "

آپ کا ارادہ غالباً مجھے رات کے کھانے پر بھی ٹھہرانے کا ہے ؟" چانسلر صاحب نے کہا جو توقع کے خلاف خوشمزاج بے تکلف اور کچھ بے حد اپنے سے ہوتے جا رہے تھے !"

" جی ہاں !" ہماری خوشی اسی میں ہے کہ جناب آج دال روٹی غریب خانے پر ہی تناول فرمائیں !" افتخار صاحب نے انکساری سے کہا "
" حضور، دال روٹی تناول نہیں فرمائی جاتی۔ صرف کھائی جاتی ہے۔

تناول تو فرمایا جاتا ہے۔ پلاؤ۔ مرغ، مزعفر، اور جانے کیا کیا:" وہ زور سے ہنستے ہوئے بولے :" اگر دال روٹی ہی ہے تو اجازت دیجئے۔ یہ تو گھر پر بھی کھا لیتا ہوں ۔ میں تو کچھ بڑھیا سے کھانے تناول فرمانے آگیا تھا:"

تو آپ مرغ پلاؤ۔ مرغ قورمہ، کوفتے، ہی تناول فرمایئے گا :"

ابصار صاحب نے کہا :" آپ کے طفیل ہم بھی چکھ لیں گے۔ ورنہ دال روٹی تو ہماری بھی روز ہی کی ہے :"

بھاری قہقہوں سے کمرہ گونج اٹھا۔ اخلاقاً منصور، ایثار نے بھی دانت چمکا دیئے ؛"

ہشام !" افتخار صاحب نے اسے آواز دی۔ شروع ہی سے بٹلروں کے ساتھ بٹلر بنا کمرے میں حاضر تھا :

" جی !" وہ ننگے پاؤں قالین پر بھاگتا ہوا آیا :"

اندر پوچھو۔ چائے میں کیا دیر ہے ؟"

لے آؤں ؟"

ہاں "

چنانچہ چائے کے بعد وہ سب پھر صوفوں پر آبیٹھے۔ چانسلر صاحب نے اپنا کوٹ اتار کے صوفہ کی پشت پر ڈال دیا سر اٹھا کر سیلنگ فین کو دیکھتے ہوئے بولے :"

" بیٹے۔ اسے چلا دو !"

ایثار نے آگے بڑھ کر پنکھا آن کر دیا :

چانسلر صاحب نے پتلون کی جیب سے ایک کاغذ نکال کر افتخار صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے تھوڑا سا اٹھ کے ادباً نیب نامہ ان کے ہاتھ سے

لے لیا ۔ اور ابصار صاحب کی طرف سرکے ۔

"دیکھو!"

نسب نامہ پر نظر پڑی تو وہ ایک منٹ کے لئے چونکے"

اسم نوشہ ۔ سید محمد ہشام ۔

لیکن دوسرے لمحے ان کی نظریں نوشہ کی ڈگریوں پر پڑیں ۔ جہاں لکھا تھا ۔

بی کام فرسٹ ڈویژن میرٹ ہولڈر،

ایل ایل بی ۔ جاری ۔ تیسرا سال"

افتخار صاحب نے آگے پڑھنا شروع کیا ۔ مگر ابصار صاحب نے سینے کی گہرائی سے ٹھنڈی سانس لی ۔ اور وہ کچھ افسردہ و ملول سے ہو گئے ۔

کیا تماشہ تھا ۔ ایک یہ خوش نصیب ماں باپ کا بیٹا ہے ۔ اور ایک وہ بدنصیب ماں باپ بھی ان کا بیٹا بھی اسی خوش نصیب کا ہم نام ہے مگر اس سے کتنا مختلف، افسوس ۔ افسوس ۔ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا ۔ ہشام ایک طرف کھڑا تھا ۔ چہرے پر احمقانہ مسرت کی پرچھائیاں خواہ مخواہ کی مسکراہٹ ہونٹوں پر ۔ معمولی سے کپڑے ۔ ننگے پاؤں ۔ کم بخت نے قالین کے احترام میں کبھی چپلیں نہ پہنی تھیں ۔ جاہل مطلق ۔ نامراد ۔ ابصار صاحب کا دل چاہنے لگا ۔ ڈنڈا لے کر پل پڑیں ۔ پھر شدید ترین غصہ ضبط کر کے وہ افتخار صاحب کے ہاتھ سے اسم نویسی پر نظریں دوڑانے لگے !"

پتہ نہیں افتخار صاحب اور چانسلر صاحب کیا باتیں کر رہے تھے ۔ مارے غصے کے ان کے حواس خمسہ ہی ماؤف ہو گئے تھے !"

افتخار صاحب نے منصور کو اسم نویسی دی کہ اندر دے آئیں !"

رات کے پر تکلّف کھانے کے بعد چانسلر صاحب انہیں بہت بہت اُمید دلاتے رخصت ہوئے !"

اندر سے فرمائش کہ خواتین لڑکے کو بھی دیکھنا چاہتی ہیں "

جاتے جاتے چانسلر صاحب نے کہا" ہاں ہاں ضرور ۔ لڑکا بھی آجائے گا اور لڑکے کے والد سے بھی ملا دوں گا ۔ بہت اچھے لوگ ہیں ۔ آپ اِن سے مِل کر خوش ہوں گے ۔ مگر فی الحال صاحبزادے کے والد بزنس کے سلسلے میں کہیں گئے ہوئے ہیں ۔

جب بھی آئیں گے ۔ کہلوا دوں گا ۔ یہی ٹھیک ہے ۔ لڑکے اور لڑکی کے والد آپس میں بات چیت کر لیں !"

ان کے جانے کے بعد جب سب لوگ مِل کر بیٹھے تو خوب ہڑبونگ مچی ۔ بیگم افتخار کی رائے تھی کہ ایسے عمدہ رشتے کو چھوڑنا نہیں چاہیئے! جلد سے جلد لڑکے کے باپ سے مِل کر بات پکی کر لینی چاہیئے ۔ اچھے لڑکے عنقا ہیں ۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں کوئی دوسرا اچک لے !"

افتخار صاحب کچھ اداس سے تھے ۔ بولے "

ہاں کر لیں گے ۔ بات وات بھی ۔ پہلے اس کے باپ یہاں آئیں تو ۔ بزنس کے سلسلے میں کہیں گئے ہیں !"

پھر ایک خوفناک حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا ۔ سامنے ہشام بیٹھا تھا ۔ اس کے پاس ایثار کا بچہ ابرار بھی بیٹھا ہوا بڑے شوق و دلچسپی سے ہشام کو گلّی بناتے دیکھ رہا تھا ۔

اور ہشام لکڑی کے ایک ٹکڑے کو چاقو سے چھیل کر گلّی بنا رہا تھا!۔

" دو لکڑیاں لے آؤ ۔ پھر میں تم کو گلّی ڈنڈا کھیلنا سکھاؤں "

ہشام نے ابّی سے کہا اور بس قیامت سی آگئی۔ ابصار صاحب جو دیر سے ضبط کئے بیٹھے تھے۔ اپنا پہاڑی جوتا لے کر جھپٹے۔ چیخ کر بولے۔

"مردود۔ ناہنجار، ابے تو خود تو کسی مرض کی دوا نہیں ہے ساتھ ہی اُسے بھی خراب کر رہا ہے۔ آج میں تجھے مار ڈالوں گا۔ ناشدنی۔ تیری صورت سے مجھے نفرت لگ رہی ہے۔ آج تو میں تجھے دفن ہی کر دوں گا۔"

ڈیڈی!" ہشام کے ہاتھ سے چاقو گر گیا اور وہ بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

اُدھر سے ایثار اور منصور نے جھپٹ کر ابصار صاحب کو تھام لیا۔

افتخار صاحب چیخے۔"

"ابصار۔ یہ تم کیا کر رہے ہو؟"

ابصار صاحب پر جنوں طاری تھا۔ ان کے دھاڑتے ہوئے غصّے میں بے بسی کے آنسوؤں کی لرزش بھی شامل ہو گئی تھی۔"

"بھائی صاحب!۔ اب مجھے مت روکیئے۔ اسے جان سے مار کر میں پھانسی پر چڑھ جاؤں گا۔ یہ بھی زندہ ہو۔ میں بھی ہر وقت کی جان کنی سے بچ جاؤں۔ خدا کی قسم۔ میرا جگر داغدار ہے۔ آج میرے صبر کی انتہا ہو گئی ہے۔ بھائی صاحب۔"

ایک وہ باپ ہے جس کا بیٹا اسی منحوس بدذات ذلیل جاہل کا ہمنام ہے۔ وہ پڑھا لکھا ہے۔ ہونہار ہے۔ آگے چل کر بڑا آدمی بنے گا۔ اور یہ بے حیا بے غیرت گنوار اُسی کا ہمنام ہے۔ یہ کیا کرے گا۔ یہ حرام خور لٹھ رکشہ چلائے گا۔ ٹھیلہ ڈھکیلے گا۔ بھیک مانگے گا۔ خیرات پر جیئے گا۔"

نہیں۔ میری آنکھیں تمہاری بربادی نہیں دیکھ سکتا۔ آج میں اس بدبخت کا تختہ ہی سیدھا کر دوں گا۔ منصور، ایشا چھوڑ دو مجھے۔ میں اس گوشت کے بیکار پہاڑ کو زمین کے برابر کر دوں "

بیگم ابصار زار زار رو رہی تھیں۔ ان کے دل کے چھالے بھی پھوٹ گئے تھے۔ اور سب سکتے میں بیٹھے تھے!"

ہشام الگ تھلگ سر جھکائے کھڑا تھا"

ابصار صاحب چیختے چیختے اچانک رو پڑے"

چلو تم میرے ساتھ آؤ!" افتخار صاحب بھائی کا بازو دیکھ کے انہیں اپنے ساتھ لے گئے"

" اگر وہ کم بخت پڑھا لکھا کسی قابل ہوتا تو سائرہ آج میری بہو بنتی "

ابصار صاحب کے منہ سے نکلا"

بنالو اسے اپنی بہو بنالو۔ ابصار، افتخار صاحب نے کہا " مجھے بھی اس خلفشار سے نجات ملے کہ بے چاری کو کیسا گھر ملے۔ کیسا شوہر ملے۔ ہشام لاکھ جاہل ہو تو کیا۔ میرا بچہ ہے۔ مجھے اطمینان رہے گا۔ میں اس کی گزر بسر کے لئے مستقل جائیداد کا بندوبست کر دوں گا۔ تم اپنا دل مت دکھاؤ۔ میں بیگم کو بھی سمجھا دوں گا۔ تمہاری خواہش ہے تو تم آج ہی ہشام کو ہشام اور سائرہ کا نکاح پڑھوا دو!"

نہیں بھائی صاحب نہیں!" ابصار صاحب نے گلوگیر آواز میں جواب دیا"

یہ ہماری آپ کی خواہش اور مرضی کی بات نہیں ہے۔ یہ سائرہ بیچاری بچی کی مرضی اور اس کے مستقبل کا سوال ہے۔ وہ یقیناً جاہل مطلق گنوار

اَن پڑھ بے روزگار شوہر کو پسند نہ کرے گی۔ اس کے ساتھ خوش نہ رہ سکے گی۔ آسے اپنے ہم چشموں سے نظریں ملاتے شرم آئے گی۔ ہمیشہ کمتری کا سویان روح احساس اسے جلاتا رہے گا۔ اور۔ یہ بدبخت۔ یہ کس منھ سے ایک قابل قدر لڑکی کو بحیثیت بیوی کے قبول کر سکے گا۔! نہیں بھائی صاحب یہ تو ہو ہی نہیں سکتا!۔ آپ بھابی سے بات مت کیجئے۔ اگر وہ رضامند ہو بھی گئیں تو میں رضامند نہیں ہوں۔ آپ چانسلر صاحب کے مرسلہ رشتے پہ غور فرمائیں۔ مجھے افسوس ہے کہ اس نابکار ذلیل کے ہمنام پر مجھے رشک آیا اور میں آپے سے باہر ہو گیا۔ کاش۔ یہ بھی سیاہ بخت منحوس کسی حرف کا ہوتا!۔ اللہ اللہ!"

وہ ٹھنڈی سانس بھر کر چپ ہو گئے!"

افتخار صاحب کو بھی بے حد صدمہ تھا۔ ہشام نے اپنی بے خبری میں عمر گنوا دی۔ وقت گنوا دیا۔ اب سوائے پچھتاوؤں کے اس کے پاس کیا ہے؟"

دو ایک دن بعد چانسلر صاحب نے کہا کہ محمد ہشام کے والد صاحب ابوالخیر کشفی افتخار صاحب سے ملنا چاہتے ہیں"

چنانچہ بیگم نے پھر دعوت کا انتظام کر دیا"

لیکن انہوں نے وعدہ خلافی کی۔ دعوت دھری رہ گئی۔ انہوں نے معذرت کہلا بھیجی کہ ضروری کام سے ارجنٹ بمبئی جانا پڑا"

ماہرہ کو میکے آئے بہت دن ہو چکے تھے۔ چنانچہ وہ ایثار احمد کے ساتھ بچوں سمیت اپنے گھر سدھاریں۔ یہاں بڑا سناٹا چھا گیا۔ اب نہ بچوں کی قلقاریاں تھیں نہ ماہرہ کا پُر محبت وجود!"

نجمہ بھی اکیلی ہو بیٹھیں۔ ساجرہ نے بہن کے جانے کے بعد بھابی کے کمرے میں

اپنا اڈا بھی بنالیا۔ بے چاری بہت پژمردہ رہنے لگی تھی!!!

ابھی سائرہ کے رشتے کا ہنگامہ اختتام کو نہیں پہونچا تھا کہ بیگم افتخار کی بے چینی کو اور شہ ملی ۔ پتہ چلا کہ ان کی بہن نعیمہ اپنی لڑکی مسحور کو لے کر پونہ چلی گئی ہیں ۔ وہاں انھوں نے کوئی پیغام پختہ کر رکھا تھا! ان کا ارادہ تھا کہ مسحور کو اب سسرال کا کر ہی کے حیدرآباد واپس آئیں گی!
اس خبر نے قدرتی طور پر پھوپھی اور بیگم افتخار پر بڑا طمانیت بخش اثر چھوڑا ہشام نے بھی سکھ کی سانس لی ۔ وہ متوحش رہتا تھا کہ ایسا نہ ہو مسحور اپنی کسی حماقت سے اس کا گلا کٹوا دے!
اب ایک بار پھر وہ چھلا چھلایا گبرو یعنی ہر قسم کے غم سے آزاد پہلے کا سا بے فکر بن کر رہ گیا۔ اس ذلت کو بھی لاپروائی سے پیشانی پر سے کھرچ کے پھینک دیا جب والد صاحب اس پر جوتہ لیکر دوڑے تھے!
مگر سائرہ کی جان عذاب میں تھی ۔ وہ نجمہ کے پاس رہتی۔ ماں کے حسب الحکم اب نہایت مستعدی اور جگر کاوی سے سوزن کاری سیکھنے لگی تھی ۔

اس سلسلے میں اسے نجمہ کی مدد درکار ہوتی وہ سکھاتی تھیں اور ان کے کمرے میں ہر وقت بے تکلفانہ انداز میں ہشام بھی چلا آتا تھا ۔ سائرہ کو سخت حیرت تھی ۔ ایک وہ تھی کہ ماں کی ایک خشم ناک نگاہ نے اس کا طرز حیات ہی بدل کر رکھ دیا تھا ۔ اور ایک وہ بھی دن تھا کہ ابصار صاحب نے نہ کہنے والی باتیں بھی کہہ دی تھیں!

جان سے مار ڈالنے پر تل گئے تھے۔ لیکن اُس پر کسی قسم کا کوئی اثر نہ تھا۔ پہلے کی طرح ہنستا بولتا اور چھین جھپٹ کر کھاتا پیتا تھا۔ ننھے بچوں کی طرح اچھل کود مچاتا تھا۔ ٹی۔ وی میں آنکھیں پھوڑتا تھا۔ اور ہر طرح بے فکر تھا!"

اس کے بارے میں سب نے ایک حتمی رائے قائم کرلی تھی کہ اس کے دماغ کا وہ پرزہ جو صلاحیت کو قبول کرتا ہے۔ غائب تھا! لہٰذا ایسے چکنے پتھر سے سر پھوڑ کر اپنی دماغی صلاحیتوں کو بیکار کرنا محض حماقت تھی۔ لہٰذا اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔"

اکثر سارہ سے اس کی جھڑپ ہو جاتی!"

"تمھیں تو میرے نام ہی سے سُلگن ہوتی تھی" ایک دن وہ سارہ سے اُلجھ پڑا" اب دیکھو کہ پاک پروردگار نے میری دشمنی کی کیسی سزا دی ہے۔ میرے ہم نام نگوڑ مارے چھبیس گھٹنے کھوپڑی پر سوار رہیں گے۔ انہیں کیسے برداشت کروگی۔ مراد جلے مردے نکھٹے کمینے کو میرا ہی نام ملا تھا۔ نٹی پٹھے اس کی صورت پھر!"

بھابی ذرا ان کی زبان دیکھئے۔ بوا نانی ہو گئے ہیں بالکل" سارہ بولی"

"تم نے اپنے نام کی رجسٹری کروالی ہے کیا" نجمہ نے اسے آڑے ہاتھوں لیا"

ایک نام ہے بس۔ کوئی بھی رکھ سکتا ہے!" اور اب یہ کوبرا کاٹی نہ کرنا۔ مجھے۔ خبردار!"

"میں تو ان صاحبزادے سے کہوں گا کہ میاں ایسا ہی شوق ہے تو اپنا اسم گرامی حجام رکھ لیں۔ ہم قافیہ بھی ہے۔ اور تمہارا پیشہ بھی لڑکی والوں

کی حجامت کرنا ہے۔ خوب فٹ بیٹھے گا!" وہ بولا۔"
آپ خود حجام۔ بلکہ نائی!" سائرہ پھٹ پڑی۔"
ہائے اللہ۔ میری توبہ۔ بیوی تم کو کتنا بُرا لگا۔" اس نے ہاتھ نچا کر یوں کہا کہ نجما اس پر پنکھے کی ڈنڈی تان کر کھڑی ہو گئیں اور سائرہ زیر لب گالیاں کوسنے بکنے لگی!"

تم کو کچھ شرم تو آتی نہیں۔" نجمہ نے پٹاخ سے ایک ڈنڈی اس کی پیٹھ پر ٹکھا کر کہا۔" تمہارا ہم نام ہے مگر کتنا قابل ہے۔ اتنا اونچا پڑھا لکھا۔ لائق، معقول، کل کو بڑی ملازمت اسے ملے گی۔ ذرا شرماؤ اس سے۔"

"میں اس سالے کو جوتی کی نوک پر مارتا ہوں۔"
تیسرے دن پھر غلغلہ اٹھا کہ ابوالخیر کشفی صاحب تشریف لانے والے ہیں۔ دعوت کا انتظام پھر ہوا۔ اور اس روز وہ پھر دغا دے گئے۔ اب تو سب کا ماتھا ٹھنکا۔

چوہے بلی کا یہ کیا کھیل کھیل رہے ہیں کشفی صاحب۔" بیگم افتخار خفا ہو گئیں۔"

خواہ مخواہ ہمارا وقت بھی خراب کیا۔" ابصار صاحب بھی بگڑے "ایک دفعہ اور چانسلر صاحب کو بلاؤ یا پھر ان سے جا کے ملو، یہ کیا تماشہ ہے؟" بیگم ابصار نے کہا۔"

وہ تو خود کوئی مذاق نہیں کر رہے ہیں۔" پھوپھی نے کہا۔" میں نے اس روز پردے کی آڑ سے سُنا۔ مارے وہ قہقہے لگا رہے تھے کہ تو بہ ہی بھلی۔"

یہ ان کی عادت ہے پھوپھی۔" منصور نے مسکرا کر کہا۔" بہت زیادہ وہ

خوش ذوق اور لطیفہ پسند آدمی ہیں۔ کوئی عمدہ لطیفہ یاد آجاتا ہے سُنانے کے لئے کوئی پاس نہیں ہوتا تو یاد کر کر کے آپ ہی آپ ہنستے ہیں !"

آج پھر ان سے ملو" افتخار صاحب نے بیوی کے برہم چہرے پر نظر ڈال کر منصور سے کہا" ایک جواب دیں۔ آخر اس تماشے میں ہمارا کتنا وقت برباد ہو رہا ہے !"

اچھا۔ ڈیڈی۔ آج آفس سے واپسی پر ان کے دولت خانے پر جاؤں گا۔ اور ایک جواب لے آؤں گا !" منصور نے کہا"

اس عرصہ میں بیگم افتخار نے سائرہ کا پورا جہیز تیار کر لیا تھا۔ اپنے رکھے ہوئے زیور بعض اُجلوائے تھے۔ بعض کو نئے سرے سے بنانے کا آرڈر دیا تھا۔ ایکس جوڑے کپڑے بھی تیار تھے۔ صرف ایک کام فرنیچر کی خریداری کا تھا۔ وہ تاریخ کے طے ہوتے ہی خرید لائیں۔ اس آنکھ مچولی سے ان کا دل کچھ کھٹا ہو گیا۔ پھر بھی نا اُمید نہیں تھیں۔ چانسلر صاحب جیسے سن رسیدہ مہذب انسان کوئی گھٹیا مذاق نہیں کر سکتے"

شام کو منصور جواب لائے کہ کل شام چائے پر صاحبزادے ہشام اور ان کے والدِ ماجد مولانا ابوالخیر کشفی صاحب ضرور تشریف لا رہے ہیں"

لڑکا بھی ساتھ میں آ رہا ہے ؟" فرطِ مسرت سے بے قابو ہو کر بیگم نے پوچھا"

جی ہاں۔ چانسلر صاحب نے فرمایا تو یہی ہے۔ بہر حال اب کل ہی سب کچھ طے ہو جائے گا۔ کیونکہ کشفی صاحب کو تو فلس کے سلسلے میں پھر جانا ہے۔

اور وہ پھر جلد ہی واپس نہ آسکیں گے" منصور نے کہا"

کیا بزنس ہے؟" ابصار صاحب نے پوچھا۔

"یہ میں نے نہیں پوچھا۔ چھوٹے چچا۔ اب آپ حضرات ان سے دریافت کر لیجئے گا!" منصور نے جواب دیا۔

پھر ایک پر تکلف دعوت کا انتظام کر دیا گیا!"

اچانک نجمہ نے پوچھا" ارے ممی۔ کیا کشفی صاحب کی بیوی نہیں ہیں؟ ان سے نہیں ملیں گی آپ؟ کبھی انہیں بھی تو بلایئے۔ ان کی بات چیت سنی جائے۔ آخر کو صب سے زیادہ سابقہ ساجدہ کو انہی سے رہے گا!"

پہلے یہ بات چیت تو ہولے" بیگم افتخار بیزاری سے بولیں" پھر بلوائیں گے بیوی کو بھی"

مجھے تو دال میں کچھ کالا لگتا ہے" پھوپھی بولیں۔

بگھار ہو گا" پھوپھا نے لقمہ دیا"

اتنے میں پتہ چلا کہ چانسلر صاحب کی کار آئی۔ سب پھر تقدیم کو جھپٹے مگر اس مرتبہ پھر انہیں اکیلے دیکھ کر یہ یقین پختہ ہو گیا کہ چانسلر صاحب بڑا سنگین مذاق کر رہے ہیں"

چنانچہ افتخار صاحب نے پوچھ ہی لیا"

"جناب محترم۔ آپ تنہا۔ مطلب یہ کہ ـ"

ایک خوشگوار آہ بھر کے وہ اپنے بھاری بھرکم وجود کو صوفے پر لڑھکا کے بولے"

"کیا عرض کیا جائے جناب۔ لڑکے کے والد صاحب سخت غصہ ور واقع ہوئے ہیں۔ ہزار میں نے خوشامدیں کیں۔ یہاں آنے پر راضی نہیں ہوئے"

ایک سناٹا سا ان پر طاری ہو گیا"

تو اب کی تشریف آوری کی کوئی توقع باقی نہیں رہ گئی ؟" ابصار صاحب نے کہا:

اچانک ان کی طرف دیکھ کر چانسلر صاحب نے ایک قہقہہ لگا دیا۔ جو واقعی دل ہی دل میں ابصار صاحب کو گراں گزرا۔

" آپ کیک بسکٹ منگوائیے۔ میں چائے پی کر نہیں آیا۔ سر میں درد سا محسوس ہو رہا ہے۔ چائے وائے پی کر اطمینان سے بتا دوں گا کہ میں آج واقعی صاحبزادی کا نکاح پڑھوا کے رخصت ہوں گا۔ وہ ہنسے" دیکھا آپ نے۔ نکاح کے تعلق سے لفظ رخصت میری زبان سے کیسا برمحل ادا ہوا ہے"

نکاح ؟" افتخار صاحب سے اب مزید صبر نہ ہوا۔ بول پڑے" معاف کیجئے گا جناب عالی آپ واقعی کوئی مذاق فرما رہے ہیں۔ لیکن عرض یہ ہے کہ میری بیوی جناب والا کے اس مذاق سے محظوظ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ وہ آپ سے پوری توقعات وابستہ کئے بیٹھی ہیں۔ میرے لئے تو جواب دہی مشکل ہو جائے گی ؟"

اتنے میں منصور نے ملازموں کو حکم دیا کہ چائے کے لوازمات لے آئیں وہ اپنے قابل تعظیم و احترام استاد سے کسی اوچھے مذاق کی امید نہیں رکھ سکتے مگر ان کے اس رویے سے انگشت بدنداں ضرور تھے"

چائے کے دوران انہوں نے بڑی شریر نظروں سے حاضرین کو دیکھ کر کہا:

کیا خیال ہے۔ اب ایک بڑے اور مستقل راز پر سے میں پردہ ہٹا دوں ؟"

راز ۔ کیا مطلب ؟ کئی زبانوں سے نکلا ؟

ابھی بتاتا ہوں ؟ انہوں نے کہا، اپنی پیالی منصور کے آگے سرکا دی :

بھر دو ؟

اندر سے ہشام پانوں کا خوبصورت نقرئی خاصدان لے کر آیا ۔ اور بس جیسے ایک کاغذی قلعہ بھک سے اڑ گیا ۔ چانسلر صاحب نے ہشام سے کہا ۔ " میاں ان بزرگوں کو کب تک خلفشار میں مبتلا رکھو گے ۔ حد یہ کہ تمہارے مذاق میں میں بھی پوری طرح پھنس گیا ہوں ۔ بھلا بتاؤ ۔ میں کسی دوسرے محمد ہشام ابن ابو الخیر کشفی صاحب کو کہاں سے پیدا کر دوں ۔ جبکہ محمد ہشام ابن ابو العلا احمد صاحب کا پیغام میں انہیں دے چکا ہوں ؟

ہائیں ؟ ؟

کیا مطلب ؟ ؟

یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ؟

اور یہ ہشام ؟ ؟

نہیں ۔ نہیں ؟

کمرہ عجیب حیران کن تعجب خیز آوازوں سے گونج اٹھا ؟

جی ہاں ؟ چانسلر صاحب نے قہقہہ بلند فرمایا ؟ یہی موصوف ہیں ۔ عجیب و غریب طبیعت پائی ہے ۔ اُدھر اپنے پھوپھا صاحب مدظلہ کو حلق تک بھر کے میرے پاس بھجوایا ۔ اور اِدھر میرے ہاتھ پاؤں جوڑ کے مجھے منع کیا ۔ حقیقت یہ ہے مسٹر افتخار، یہی ہشام وہ ہونہار لائق اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے ۔ خرابی بس یہ ہے کہ حد سے زیادہ مذاق پسند ہے ۔ ابو الخیر میں جعفلا کرنے کا شائق بھی ۔ ورنہ کچھ ٹھکانہ ہے کہ آج تک آپ

حضرات کو پتہ نہیں چلا۔ یہ بی کام کر چکا ہے اور وکالت کا نصاب پڑھ رہا ہے۔"
ہشام کا یہ حال تھا کہ جیسے زمین میں گڑا جا رہا ہو۔ بناوٹی شرم خود پر طاری کر رکھی تھی۔ اور سُرخ ہو رہا تھا!"

"مم۔ مگر۔ جناب آپ اس کے مذاق میں کیونکر شریک ہو گئے۔ تعجب ہے۔ مجھے یقین نہیں آ رہا!" افتخار صاحب بولے۔

وہ ہکا بکا تھے۔ حیران تھے۔ متعجب تھے۔ اور بار بار ہشام کو یوں گھور لیتے تھے جیسے وہ کوئی عجیب الخلقت جانور ہو اور چڑیا گھر سے چھوٹ کر یہاں آ گیا ہو۔"

ابصار صاحب کی حالت اور بھی قابلِ دید اور مضحکہ خیز تھی۔ آنکھیں پھاڑے منہ کھولے دم بخود تھی چانسلر صاحب کو گھورتے کبھی اپنے ہونہار صاحبزادے کو۔ جیسے خواب کے عالم میں گم ہو چکے تھے۔"

"میں اپنے ہونہار شاگردوں کا دوست ہوں۔ مسٹر ابصار" ان پر اپنی شخصیت "عہدے" اور استادی کا رعب نہیں جتاتا۔ اور پھر یہ بچہ تو بہت ہی قابلِ قدر ہے۔ جب میں نے دیکھا کہ مسلسل چار سال سے ایک لڑکا اپنے میرٹ ہی کے بل بوتے ٹاپ کرتا چلا جا رہا ہے۔ تو اس سے ملنے کی خواہش قدرتی طور پر پیدا ہوئی۔ میں نے اسے اپنے اجلاس پر طلب کیا۔ اس کی ہمت افزائی کی۔ اس کو سراہا۔ اس کا حوصلہ بلند کیا۔ پھر یہ حضرت مجھ سے کچھ کھلے تو پتہ چلا یہ با مذاق" لطیفہ پسند اور بذلہ سنج واقع ہوئے ہیں۔ ایسے طلباء اور بھی ہیں لیکن ایک خاص واقعہ نے اس کی قدر و محبت میرے دل میں دہ چند کر دی۔ آپ کو غالباً علم نہیں کہ میں مجرد آدمی ہوں۔ ایک مرتبہ شدید بیمار پڑا تھا۔ تب

دن رات اس نے میری خدمت کی تھی۔

میرے پیر تک دبائے تھے۔

میرے پاس ساری ساری رات جاگا تھا۔"

میرے لئے رویا تھا۔

تب میں نے سوچا کہ یہ تراشا ہوا ہیرا ہے۔ آپ لوگ اب سمجھے کہ۔ میں کیونکر اس کے ایک معصوم مذاق میں شریک ہوا اور اس کی خواہش پر اسے اختتام کو پہونچایا۔

مسٹر ابصار۔ میں آپ کو بہت بہت مبارکباد دیتا ہوں۔ آپکو ایک قابل، فخر بیٹا نصیب ہوا ہے۔"

مسٹر افتخار آپ کو اعلٰی درجے کا داماد ملا ہے۔ آپ سب خوش نصیب ہیں۔"

لیجئے جناب یہ محمد ہشام ابن کشفی صاحب کا معمہ حل ہو گیا ۔"

انہوں نے پھر ایک قہقہہ لڑھکا دیا مگر ساتھ ہی آنسو بھی رومال سے پونچھے جو شائد ہنسنے کی وجہ سے ان کی آنکھوں میں آگئے تھے!۔"

ہشام!" اچانک افتخار صاحب نے کپکپاتی آواز میں پکارا۔

جی۔ چچا ابا۔" وہ شرما رہا تھا۔"

"بیٹے۔ میرے پاس آؤ۔

میرے گلے لگ جاؤ!"

وہ پاس آیا۔"

گھٹنوں کے بل جھکا۔"

اور افتخار صاحب کی آغوش میں سر رکھ دیا۔"

تھوڑی دیر بعد اشہر کو بھیجا گیا کہ ماہرہ اور ایثار کو بلا لائے۔
انصار صاحب مسکرا رہے تھے۔ گریہ و تبسم کے سنگم پر تحیر سے اپنے ہونہار بیٹے کو دیکھ رہے تھے یوں لگتا تھا۔ ہنسنے کے لئے ان کے پاس ہونٹ کم ہیں۔ ان کا رونگٹا رونگٹا مسکرا رہا تھا۔
یہ خبر سن کر خواتین میں ایسی عظیم الشان کھلبلی مچی کہ ہشام بدحواس ہو گیا۔
باری باری سب اسے چڑیا گھر کے جانور ہی کی طرح دیکھ رہے تھے۔

اور عجیب طرح کے تجربۂ تعجب کا اظہار کر رہے تھے۔
مگر حقیقتاً ان کی خوشیاں بھی ان سے ضبط نہ ہو رہی تھیں۔
انہیں گمان تک نہ تھا۔ راتوں کو فلم کے بہانے نائٹ کالج میں پڑھ کر اس نے بی۔ کام کیا۔ اور میٹنی شو دیکھنے کے قصور پر بڑوں کی ڈانٹیں کھا کر ایل ایل بی کر رہا تھا!"
سچ مچ وہ عجوبہ تھا!۔
جہالت کی مکمل اداکاری کی تھی اس نے۔ سامرہ نے سب کچھ سن کر دل تھام لیا۔
اُس وقت وہ بوکھلا کر کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ اور بڑھی ہوئی حیرت سے سب کچھ سن رہی تھی!"
ہشام وہیں کھڑا تھا۔
دفعتہً اس نے سر اٹھایا۔
سامرہ کی نظریں اس سے مل گئیں۔ ہشام کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

شدید ترین بوکھلاہٹوں مبتلا ہو کر اور جھینپ کے سارہ نے بے ارادہ کہا ۔

دھوکے باز ۔"

اور پلٹ کر کمرے میں گھس گئی ۔

اسے محسوس ہو رہا تھا ۔ اس کی خوشیاں اور مسرتیں دونوں جہان کے پیمانے میں بھی سما نہ سکتی تھیں !!!

ختم شد

طبعزاد ۔ غیر مطبوعہ

عفت موہانی